

عارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک مجموعہ اور جامع انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

مولانا محمد مسطور رحمانی

وزارت اعلیٰ
نئی دہلی

بیت

معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد دوم

کتابُ الرفاق و کتابُ الاخلاق

تألیف

مولانا محمد منظور نعمانی

آرٹو بازار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

دارُ الاشاعت

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر : 7117

جملہ حقوق ملکیت برائے پاکستان بحق "خلیل اشرف عثمانی" دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مصنف سے جو دواۓ حقوق اشاعت پہلے حاصل تھے اب انکے ورثا سے پاکستان کے لئے "جملہ حقوق ملکیت مع اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ عمل میں آ گیا ہے" اس کی اطلاع ور جسٹریشن کاپی رائٹ رجسٹرار کے ہاں عمل میں آ چکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت و فروخت میں ملوث پایا گیا تو بغیر پیشگی اطلاع کے قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ ناشر

طباعت کمپیوٹرائڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت العلوم 20 نا بھہ روڈ لاہور	بیت القرآن اردو بازار کراچی
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال پاک کراچی
یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور	بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد	مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ حدیث مارکیٹ رعب بازار راولپنڈی	مکتبہ المعارف محلہ جٹلی۔ پشاور

..... انٹرنیٹ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
10-121, HATFIELD ROAD
BOLETON, HUNTS, UK

AZHAR ACADEMY LTD.
54-55 HILLTOP ROAD, JALAN
MANOR PARK, 14 0N 1X 0N F12 323

..... امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIYA
125 SCHWANK STREET
BROOKLYN, NY 11212, U.S.A.

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
66-68 BENTLEY TRUXTON
1X77054 U.S.A.

فہرست مضامین

۱۱	۱	دیباچہ (از مولف)
۱۳	۲	مقدمہ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
۲۳	۳	”کتاب الرقاق“
۲۵	۴	خوف خدا اور فکر آخرت
۲۶	۵	اگر عالم غیب ہم پر منکشف ہو جائے تو ہمارا کیا حال ہو؟
۲۷	۶	غفلت کو دور کرنے کے لئے موت کو زیادہ یاد کرو
۳۰	۷	خوف خدا اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں
۳۱	۸	موت اور آخرت کی تیاری کرنے والے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں
۳۲	۹	نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے
۳۳	۱۰	قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی اپنی عبادت کو بیچ سمجھے گا
۳۴	۱۱	قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی
۳۴	۱۲	گناہوں کے انجام سے ڈرنے والوں اور خدا کی رحمت کی امید رکھنے والوں پر خدا کا خاص فضل ہوگا
۳۵	۱۳	جس کے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف ہو اور وہ ورخ سے نکال لیا جائے گا
۳۵	۱۴	اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت
۳۶	۱۵	اللہ کے خوف سے جسم کے رو گئے کھڑے ہو جانے کی سعادت
۳۷	۱۶	ایک گناہگار نے خوف خدا سے مغلوب ہو کر ایک بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا
۳۸	۱۷	خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت کا معیار ہے
۳۹	۱۸	خوف و خشیت اور فکر آخرت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا حال
۴۴	۱۹	دنیا کی تحقیر اور مذمت
۴۵	۲۰	تمہید: دنیا کی بے وقعتی اور تحقیر کے بارے میں ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اصولی گفتگو
۴۸	۲۱	آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت
۴۹	۲۲	دنیا مومن کا جیل خانہ اور کافر کی بہشت
۴۹	۲۳	مشہور حدیث: ”الدنيا جنة المؤمن وجنة الكافر“ کا صحیح مطلب اور اس کا تقاضا
۵۰	۲۴	دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی اس لئے آخرت کے طالب بنو
۵۱	۲۵	اللہ سے تعلق کے بغیر دنیا قابل لعنت ہے
۵۱	۲۶	طالب دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا
۵۲	۲۷	اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے
۵۲	۲۸	اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھو
۵۳	۲۹	دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ)

- ۵۴ ۳۰ اسی موضوع پر آپ کا ایک اور خطبہ
- ۵۵ ۳۱ امت میں دولت کی افراط کا خطرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہی
- ۵۵ ۳۲ اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے
- ۵۶ ۳۳ حب مال اور حب جاہ دین کے لئے قاتل ہیں
- ۵۶ ۳۴ دنیا اور دولت کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے
- ۵۷ ۳۵ دولت میں اضافہ کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی
- ۵۸ ۳۶ طالب آخرت کا دل مطمئن رہتا ہے اور طالب دنیا کا پر اگندہ اور غیر مطمئن
- ۵۸ ۳۷ دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے
- ۶۰ ۳۸ دولت کے پرستار خدا کی رحمت سے محروم
- ۶۰ ۳۹ حضور کا ارشاد کہ ”مجھے سوداگری اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور اس کا مطلب
- ۶۱ ۴۰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش اور آپ کی فقر پسندی
- ۶۱ ۴۱ سب سے زیادہ قابل رشک بندہ
- ۶۲ ۴۲ خوشحالی چاہنے والی بیوی کو ابو الدرداء کا جواب
- ۶۳ ۴۳ موت اور افلاس میں خیر کا پہلو
- ۶۳ ۴۴ عقیف اور عیالدار بندہ اللہ کا محبوب
- ۶۳ ۴۵ اپنی فاقہ زدگی اور محتاجی چھپانے والے بندے سے اللہ کا وعدہ
- ۶۳ ۴۶ **زہد اور اسکے ثمرات و برکات**
- ۶۳ ۴۷ زہد اختیار کرو، اللہ کے اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے
- ۶۵ ۴۸ زاہدوں کی صحبت میں رہا کرو
- ۶۶ ۴۹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ
- ۶۷ ۵۰ خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گزارتے
- ۶۷ ۵۱ جب کسی بندے کو ”شرح صدر“ کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو اسکی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت غالب اور نمایاں ہو جاتی ہے
- ۶۸ ۵۲ اس امت کی اصلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے
- ۶۹ ۵۳ زہد کیا ہے اور کیا نہیں
- ۷۰ ۵۴ **زہد نبوی**
- ۷۰ ۵۵ اپنے اور اپنے خاص متعلقین کے لئے حضور کی فقر پسندی
- ۷۱ ۵۶ حضور کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا
- ۷۲ ۵۷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اٹھائیں
- ۷۲ ۵۸ دودھ مینے گزر جاتے تھے اور آپ کے چوہے میں آگ نہیں جلتی تھی
- ۷۳ ۵۹ آپ اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے

- ۶۰ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرو ایک یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی تھی ۷۳
- ۶۱ مسلمانوں کے ہوتے ہوئے کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت ۷۳
- ۶۲ خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب ۷۴
- ۶۳ آپ کا ارشاد ”کہ“ میں اس دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ لینے کیلئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو ۷۵
- ۶۴ دولت اگر صلاح و تقویٰ کے ساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے ۷۶
- ۶۵ نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت ۷۷
- ۶۶ معصیت کی زندگی کے ساتھ اگر کسی کو دنیا میں نعمت مل رہی ہے تو یہ استدراج ہے ۸۰
- ۶۷ کافروں فاجروں کی خوشحالی پر رشک نہ کرو ۸۱
- ۶۸ کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اسکو حقیر نہ سمجھو ۸۲
- ۶۹ بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ انکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے ۸۴
- ۷۰ اپنے سے کم درجے والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو ۸۴
- ۷۱ اگر حسن عمل کی توفیق ہو تو زندگی بڑی نعمت ہے ۸۶
- ۷۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع نصیحتیں اور اہم وصیتیں ۸۹
- ۷۳ (اس عنوان کے تحت ص ۱۰۵ سے ص ۱۲۵ تک ۱۶ حدیثیں ہیں بر حدیث ایک مستقل موعظہ اور مواعظ ۸۹
- خطبہ ہے

کتاب الاخلاق

- ۷۴ ۱۰۵
- ۷۵ دین میں اخلاق کا درجہ ۱۰۷
- ۷۶ خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت ۱۰۷
- ۷۷ اچھے اخلاق اور برے اخلاق ۱۱۳
- ۷۸ رحمہاں و بے رحمی ۱۱۳
- ۷۹ دوسروں پر رحم کھانے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں ۱۱۳
- ۸۰ ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ہی بخش دیا گیا ۱۱۴
- ۸۱ اپنے پالے ہوئے جانوروں کے چارے پانی کی خبر گیری کا حکم اور انہیں تکلیف دینے کی ممانعت ۱۱۵
- ۸۲ چڑیوں اور چوٹیوں تک کو ستانے کی ممانعت ۱۱۶
- ۸۳ بلی کو باندھ کے بھوکا مار ڈالنے والی ایک سنگدل عورت دوزخ میں گئی ۱۱۶
- ۸۴ کسی بد بخت ہی کا دل رحم کے مادہ سے خالی ہوتا ہے ۱۱۷
- ۸۵ دل کی قساوت اور سختی کا علاج ۱۱۷
- ۸۶ سخاوت اور بخل ۱۱۷
- ۸۷ انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا ۱۱۹
- ۸۸ اللہ کو سب سے زیادہ عزیز وہ بندہ ہے جو بدلہ لینے اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے ۱۲۰

- ۸۹ خادم اور نوکر کو معافی دو، اگرچہ وہ ایک دن میں ستر دفعہ قصور کرے
۱۲۱
- ۹۰ احسان
۱۲۲
- ۹۱ اللہ کو سب سے پیارا وہ بندہ ہے جو اُس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرے
۱۲۲
- ۹۲ (ف) اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی بڑے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں
۱۲۲
- ۹۳ صرف احسان کرنے والوں کے ساتھ ہی احسان نہ کرو
۱۲۳
- ۹۴ چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے
۱۲۴
- ۹۵ ایثار (ایثار کی حقیقت)
۱۲۴
- ۹۶ رسول اللہ ﷺ کے ایثار کی ایک مثال
۱۲۴
- ۹۷ ایک صحابی (ابو طلحہ) اور اُن کے گھر والوں کے ایثار کا ایک سبق آموز واقعہ، اور اُس پر رسول اللہ ﷺ کی بشارت
۱۲۴
- ۹۸ انس و محبت اور بیگانگی و عداوت
۱۲۷
- ۹۹ مؤمن کو الفت و محبت کا مرکز ہونا چاہئے
۱۲۸
- ۱۰۰ اللہ کیلئے محبت اور اللہ ہی کیلئے بغض و عداوت
۱۲۸
- ۱۰۱ اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے
۱۲۸
- ۱۰۲ اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں
۱۲۹
- ۱۰۳ صرف اللہ کے تعلق سے اُس کے ایک بندے کی زیارت کو جانے والے شخص سے فرشتہ کی ملاقات اور اللہ کی محبت کی بشارت
۱۲۹
- ۱۰۴ اللہ کیلئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز
۱۳۰
- ۱۰۵ اللہ کیلئے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں
۱۳۲
- ۱۰۶ محبت ذریعہ قرب و معیت
۱۳۲
- ۱۰۷ محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب
۱۳۴
- ۱۰۸ محبت کیلئے اطاعت لازم
۱۳۴
- ۱۰۹ دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی
۱۳۵
- ۱۱۰ مسلمانوں میں باہم کیسی محبت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے
۱۳۶
- ۱۱۱ باہم نفرت و عداوت، بغض و حسد اور بدگمانی و شامت کی ممانعت
۱۳۷
- ۱۱۲ اہل ایمان کو ستانے والوں اور رسوا کرنے والوں کو سخت تنبیہ
۱۳۸
- ۱۱۳ حسد کے بارہ میں خاص انتباہ
۱۳۹
- ۱۱۴ بغض و کینہ کی نحوست
۱۴۱
- ۱۱۵ شامت کی سزا
۱۴۱

۱۴۲	نرم مزاجی اور درشت خوئی	۱۱۶
۱۴۵	رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی	۱۱۷
۱۴۵	علم و بردباری، یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا	۱۱۸
۱۴۶	غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے	۱۱۹
۱۴۷	غصہ کے وقت کیا کیا جائے	۱۲۰
۱۴۸	اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اُس کا صلہ	۱۲۱
۱۴۹	علم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے	۱۲۲
۱۵۰	اطمینان و متانت سے کام کرنے کی فضیلت اور جلد بازی کی ممانعت	۱۲۳
۱۵۱	میانہ روی	۱۲۴
۱۵۱	خوش کلامی اور بد زبانی	۱۲۵
۱۵۴	کم بولنا اور بُری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا	۱۲۶
۱۶۰	ترک مالا یعنی	۱۲۷
۱۶۰	پغلو خوری	۱۲۸
۱۶۲	غیبت اور بہتان	۱۲۹
۱۶۴	دوڑھے پن کی ممانعت	۱۳۰
۱۶۷	صدق و امانت اور کذب و خیانت	۱۳۱
۱۶۹	تجارت میں صدق و امانت	۱۳۲
۱۶۹	جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں	۱۳۳
۱۷۰	جھوٹ کی گندگی اور سزا ہند	۱۳۴
۱۷۰	جو تمہیں سچا سمجھے اُس سے جھوٹ بولنا بڑی سخت خیانت ہے	۱۳۵
۱۷۰	جھوٹی گواہی	۱۳۶
۱۷۳	جھوٹی قسم	۱۳۷
۱۷۳	جھوٹ کی بعض خفی قسمیں	۱۳۸
۱۷۴	خیانت کی بعض خفی قسمیں	۱۳۹
۱۷۶	اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کیلئے اپنی طرف سے کچھ کہہ دینا جھوٹ نہیں	۱۴۰
۱۷۶	ایفاء وعدہ اور وعدہ خلافی	۱۴۱
۱۷۹	تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر	۱۴۲
۱۸۲	شرم و حیا	۱۴۳
۱۸۲	حیا کی خاص اہمیت اور اس کے معنی کی وسعت	۱۴۴
۱۸۶	قناعت و استغنا اور حرص و طمع	۱۴۵
۱۸۷	اصل دولت مندی دل کی دولت مندی ہے	۱۴۶

- ۱۸۸ صبر و قناعت اللہ کی وسیع ترین اور عظیم ترین نعمت ہے
- ۱۸۸ دولت کی حرص کے بارے میں حکیم بن حزام کو حضور ﷺ کی نصیحت اور اُن پر اُس کا مثالی اثر
- ۱۸۹ حرص و طمع کی تباہ کاریوں اور بد انجامیوں کے متعلق اگتباہ
- ۱۹۰ حرص انسان کی بدترین خصلتوں میں سے ہے
- ۱۹۰ **صبر و شکر**
- ۱۵۲ سچے مؤمن کیلئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، نعمت پر شکر کرے تو خیر ہے، مصیبت پر صبر کرے تو خیر ہے
- ۱۹۱ شروع صدمہ میں صبر کرنے والے کو رحمت کی بشارت
- ۱۹۱ جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اُس کیلئے بخشش کا وعدہ ہے
- ۱۹۲ ایک نواسہ کی وفات پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنی صاحبزادی کو صبر کی تلقین
- ۱۹۲ آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں بلکہ رحمت ہے
- ۱۹۳ معاذ بن جبلؓ کے صاحبزادے کے انتقال پر اُن کے نام حضور ﷺ کا نہایت مؤثر اور ایمان آفریں تعزیت نامہ
- ۱۹۳ امت محمدیؐ کے صبر و شکر کا سرچشمہ اُن کی عقلیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی خاص عطا ہے
- ۱۹۵ **توکل اور رضا بالقضا**
- ۱۹۵ توکل کی حقیقت
- ۱۹۵ توکل اور ترک اسباب
- ۱۹۶ رضا بالقضا کا مطلب
- ۱۹۶ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کہ اپنی ضرورتوں کیلئے صرف اللہ پر نظر رکھو اور اُسی سے اپنی حاجتیں طلب کرو
- ۱۹۶ ایک صحابی اور ان کی بیوی نے سخت حاجتمندی کے وقت اللہ تعالیٰ سے رزق کی دعا کی اور اُن کو اُسی وقت خزانہ غیب سے رزق ملا
- ۲۰۲ اللہ کے فیصلوں پر دل سے راضی رہنا بندے کی سعادت و خوش نصیبی ہے، اور ناراض رہنا شقاوت و بد بختی ہے
- ۲۰۳ **اخلاص و التبت اور نام و نمود**
- ۲۰۳ اخلاص کی حقیقت اور اُس کی اہمیت
- ۲۰۵ اخلاص کی برکت اور تاثیر و طاقت (غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا واقعہ)
- ۲۰۹ ریا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے
- ۲۱۰ جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا
- ۲۱۲ ریاکاروں کو فضیحت و رسوائی کی سزا
- ۲۱۲ دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

۲۱۳

۱۷۳ ریاکار عالموں اور عابدوں کو سخت ترین عذاب

۱۷۴ قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار نخی کے

۲۱۳

بارے میں ہوگا

۱۷۵ اعمال صالحہ کی وجہ سے دنیا میں خود بخود اچھی شہرت ہو جانا، اور اس کی وجہ سے لوگوں کا محبت و عزت کرنا

۲۱۵

کوئی بری بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

۲۱۶

تمت

ناچیز

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

—————

کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۳۳۱ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۱۷ھ کے اواخر میں شائع ہو رہی ہے۔ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو چالیس حدیثوں کی شرح ہو چکی ہے۔ اس دوسری جلد میں جو ”کتاب الرقاق“ اور کتاب الاخلاق پر مشتمل ہے۔ دو سو ساٹھ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ ان حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت سے ہے دینی و روحانی تربیت اور تعمیر سیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضرات محدثین، اپنی کتابوں سے ابواب رقاق اور ابواب اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بناء پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں انہی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش لیا ہے۔

اس جلد میں سو حدیثیں سلسلہ رقاق کی ہیں اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلہ اخلاق کی۔ رقاق سے مراد رسول اللہ کے وہ ارشادات، وہ خطبات، مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اور مدار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور دنیاوی ہر وقعت نظر میں کم ہوتی آخرت کی فکر بڑھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایک مؤمن کا صحیح نظر اور نصب العین کیا ہونا چاہئے اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنی چاہئے، کن چیزوں سے دل لگانا چاہئے اور کن چیزوں کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہئے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اصل کار فرما وہ عنصر یا وہ قوت ہے جس کو قلب یا دل کہا جاتا ہے اس کا رخ اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رخ پر چلتی ہے اور اس کا رخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ رقاق کی حدیثوں کا خاص موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رخ کو صحیح کرتی ہیں اور دل کا رخ صحیح ہوجانے کے بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفہ اللہ بنتا ہے۔ اور جن کا انسانی معاشرہ میں مکمل طور سے پیدا کرنا رسول اللہ نے اپنی بعثت کا اہم مقصد بتلایا ہے۔

بہر حال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بناء پر اس دوسری جلد میں ”رقاق“ اور ”اخلاق“ کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

مقدمہ

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

محمد رسول اللہ کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہاں صراحتاً ان چار چیزوں کا تذکرہ دیا گیا ہے۔ (۱) تاووت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمَمِیْنَ رُسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانَ مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

وہی ہے جس نے ان پر جنہوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر ان کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے کسی گمراہی میں تھے۔

کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رُسُوْلًا مِنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

در حقیقت بعثت محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی، محمد رسول اللہ نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بند نظری، نیا جذبہ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد و قناعت، دنیا کی متاعِ حقیر اور دولتِ فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، حسن سوگ و بہمدی، برو مواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جوہر دیکھنا ہو تو صحابہ کرامؓ کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا چشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن افس کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحصیل کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اس خیر العقل انتخاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عنصروارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

قرآن مجید

رسولِ اہل کی ذاتِ آرائی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔

آپ کے ارشادات و ہدایات، مواظب و نصاب اور تعلیم، تلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثتِ نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی بینت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دینے سے دیا جاتا ہے، صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خاص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اصلی اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تنہا تہاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصاب و تلقین کا بھی جس سے وہ حیاتِ طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے "اد" کا حکم پایا تھا اور

تعریف بھی سنی تھی، مگر انہوں نے اسکی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی، جس و انہوں نے (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مؤمن کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے زبانِ نبوی سے

(میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ

(بلال! ان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا تو نماز کیسا تھا اس عشق و شغف کا اندازہ

نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انہوں نے خاصانِ امت کے سلسلہ میں

ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے تو چین نہیں آتا" کے الفاظ نہیں سنے، انکو مسجد اور قلبِ مؤمن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا، انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع و ابتناس (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اسکی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدانِ بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ

— **لے بعد** (اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے) اس مٹھی بھر

جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جاسکتی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا **”خسک“** (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی بجز و در ماندگی کا اظہار اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ عاقبتی ہے، لیکن بندگی اور بجز و در ماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا۔

اللّٰهُمَّ اَنْتَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعِلَانِي لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِي وَ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمَشْفِقُ الْمَقْرُ الْمَعْتَرِفُ بِذُنُوبِي، اَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمَسْكِينِ وَ اِهْتَلِ اِلَيْكَ اِهْتِهَالُ الْمَلْطَبِ الدَّلِيلِ وَادْعُوكَ دَعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ وَدَعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رِقَبَةٌ وَفَاضَتْ لَكَ عِبْرَتُهُ وَ ذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ الْفَهْلُ لَئِنْ لَمْ تَجْعَلْنِي بِدَعَائِكَ شَقِيًّا وَكُنْ لِي رَوْفًا رَحِيمًا. يَا خَيْرَ الْمُسْتَوَلِينَ وَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ۔^①

اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریاد کی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار روزِ لیل و خوار گڑگڑاتا ہے) اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوفزدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور اسے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فرو تکی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رڑ رہا ہو، اے اللہ! تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہو، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا۔ اور **الْاٰلِیُّوْا وَلَعَتْ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَیْسَی الْحَيٰوٰنِ** (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اسکی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور **الْاٰلِیُّوْا** پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشاداتِ نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و نذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہ

① کنز العمال عن ابن عباس۔

② ملاحظہ ہو معارفِ احادیث حصہ دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان رسول اللہ ص ۱۱۱

وقت گنتی رہتی۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفیق جیسے اہل حق و تعیسات کے منہبوم سے آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں انکی تطبیق، نیز صحیح عمل نکلوا صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرتؐ کا کمزوروں، غورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوزھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپؐ کی اس بارے میں ہدایات و وصیتیں اور ارشادات سنے، انکو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اسکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریش، اتباع جنازہ، تسمیہ حائض و غیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے، مگر کتنے معصین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک والا اہل حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبویؐ

حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے (اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہنچ سکتے۔ جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔ **اعضاءہم یعنہا فی صدائقہم**)

(اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپؐ کے یہاں بھری ذبح ہوتی تو آپؐ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور متبع بنانے کے لئے درکار ہے، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اسکی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذاتی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتمم بالشان، موقع و مؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہو گا وہ فضا اور ماحول تیار ہو گا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے

جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ، انقطاع عن الخلق، نیابت کی تعلیم و تربیت اور نظم و حدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اسکے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سننِ راتہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان و اقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذر و غیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے مجموعہ و عمل سے نماز اتنی متم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے، اوقات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اسکے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرماً و منقطع کر لیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو احادیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو انکی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

در حقیقت رسول اللہ کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے، دین کی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفرین کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشوونما و ترقی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے، انہوں نے باآخر اسکی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب نے اپنے اپنے عقائد و ملفوظات سے پُر کیا، مگر اس نے رفتہ رفتہ مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامن

اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے^۱۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کیلئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعۃً اس ماحول میں پہنچ جائے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ مصروفِ تکلم اور صحابہ کرامؓ گوشِ بر آواز ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ کے تجدد کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعاء و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جاسکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں (کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ **اللہ اکبر**) (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جنکی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے چوبہا کرم ہوتے نہیں دیکھا جنہوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہِ خدا میں خرچ ہوتے دیکھے، جس نے مرض و فوت میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارمِ اخلاق اور انسانیت کا ملکہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے چاہے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلے ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دنوں کی تپش انکی شبوں کا انداز، انکی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، انکی نفسی و لہبیت اور ان پر نفسِ انسانی کے حملے، ان کا انقیادِ کامل اور انکی بشری بغیرِ شیں سب میاں ہیں، یہاں ابوطحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور حضرت کعب بن مالک کے غزوہ تبوک سے ہٹ کر جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے، غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کیساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دورِ نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہدِ نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا۔ اسلام کا اعجاز اور اس کا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اسکی شریک و سہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو

قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے، صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں ثابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران، خراسان و ترکستان کے طالعین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف انکا غیر معمولی حلقہ انکا عزم و مالی ہمت، پھر اسامہ، رجال و فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا مکملہ راسخ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر انکا انہماک و خود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اسکی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس کو محفوظ کرنا مقصود تھا، اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں دہر و حانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو برہور است حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقے سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کے طویل تاریخ میں کوئی مختصہ سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ سب بیکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع احتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے اور سفین ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پر تو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اسکے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اسکے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کیلئے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندہ گی، ہدایت اور قوت کے اس

سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو اس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ منقطع الحال۔ اور آوارہ گرد کر دینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پھر اس کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحیحہً اس کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ ہو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چلتا روزنامہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیت ایسی ہوتی ہیں۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کے ساتھ حدیث کے ترجمہ اور اسکی ترتیب و اشاعت کا کام جاری رہا، جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کا فارسی میں ترجمہ و تشریح کی جو اشعة الممعات کے نام سے چھپا ہوا ہے، فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا خرم علی صاحب بہوری (۱۲۷۱ھ) نے امام صفائی کی مشہور کتاب مشرق الانوار کا ترجمہ مع تشریح اردو میں تحفۃ الاخیار کے نام سے کیا اس کے معابد خاندان ولی اللہی کے شاعر در شید نواب قطب الدین خاں (م ۱۲۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح کے ساتھ مظاہر حق کے نام سے لکھا جو اپنی تحقیق، ترجمہ کی پختگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اس دور کے ختم ہو جانے کے بعد اردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے جن میں مولانا محمد ابراہیم صاحب اردو کا مجموعہ ”طریق السحاح“ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ہمارے اس زمانے میں اردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اعلیٰ معیار اور وسیع پیمانہ پر مولانا بدر عالم صاحب کر رہے ہیں، انکی زیر تالیف کی تین جلدیں تیار ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فاضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحاب درس بھی اس سے استفادہ کر سکیں، لیکن اردو میں حدیث کی قدیم و جدید ان سب خدمتوں کے بعد بھی ضرورت تھی کہ اس عہد انقلاب اور اسکی ضرورتوں اور ذہنی خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسط درجہ کے لوگوں کے لئے (جن کے پاس وقت بھی کم ہے اور بڑی علمی استعداد بھی نہیں رکھتے) حدیث کا ایک متوسط درجہ کا مجموعہ مرتب کیا جائے اور حدیث کے انتخاب و ترتیب اور تشریح میں اس مقصد کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے کہ ذہن کو اذعان اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور زندگی کے ہر گام کی اصلاح ہو۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ احادیث کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ بعض سلیم طبیعتیں مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں ان کو بھی حل کیا جائے، یہ کام وہی کر سکتا تھا جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ یاب ہو، دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو

اور اسکو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو اس سب کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اخلاط و اجتماع اور مصلحہ کے ذریعہ اس عصر کی افتاد طبعیت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو، نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو، اور اپنے حاضر علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خداداد فہم و قوت استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی، علمی کام کی توفیق عطا فرمائی ہے، لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور جتنے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں، اس وقت انکی کتاب معارف الہدیث کی دوسری جلد قارئین کے سامنے ہے جس میں زبد و رقق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ کی حدیثوں کو مرتب کر کے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے بڑھ کر اصلاح قلوب، تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابواحسن علی ندوی

(۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ)

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ - لکھنؤ

معارفُ الحديث

.....

کتاب الرقاق

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي لِحَفِظْهَا وَوَعَاَهَا وَأَذَاهَا لِرُبِّ
حَامِلٍ لِقِهِ غَيْرِ فَقِيهِ وَرُبَّ حَامِلٍ لِقِهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ

مَنْ يَتْلُوهُ يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ خوش و خوشاب رکھتے جو میری بات سنے، بچھارتے یاد کر لے اور محفوظ رکھے و رد و سرس تک اسے پہنچنے، پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں، مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اُس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

جیسے خوش نصیب ہیں بندے وہ بندے جو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سید یا فقہ میں محفوظ رکھیں اور دوسروں کو سنا کر اور پہنچا کر حضور ﷺ کی اس دعا کے مصداق بنیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے۔

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب النکاح، کتاب السبوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت ان ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے وابستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اسی عنوان کے تحت رسول اللہ کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رخ کو بدنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو تب حدیث میں "ق" کے زیر عنوان درج ہوتا ہے، اس سے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔ ہم اس سلسلہ کو ان حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ کے ان ارشادات کے جو اثرات ان خوش نصیب اہل ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنہوں نے سب سے پہلے خود حضور کی زبان مبارک سے یہ ارشادات سنے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اور فکر آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اسلئے رسول اللہ نے اپنی امت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، تبھی اس خوف و فکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے، اور تبھی اللہ تعالیٰ کے قبر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے مشہور صحابی حضرت حذلولہ ابن الریح کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہی تھا، اور صحابہ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو ان کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے ہی سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلاشبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف چند ہی حدیثیں اس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

غیب پر مستند ہو جائے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا۔ (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسمؓ نے فرمایا قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تعین کی شان ہے نیازی، اور اسکے قہر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھیں وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا ہنسنا کم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔ اس کی مزید تفصیل حضرت ابو ذر غفاریؓ کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ أَطْلُبُ السَّمَاءَ وَحَقُّ لَهَا أَنْ تَأْطِئَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَطْلِبُهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَابْنِعُ جَنَّةَهُ سَاجِدٌ لِلَّهِ، وَاللَّهُ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَمَا تَلَدُّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعْذَاتِ تَجَارُونَ إِلَى اللَّهِ. قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں علم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ ساری باتیں سناتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچہ دار ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچہ ہے۔ قسم ہے اس ربِّ عالمین کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگلی جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں ایسا ہاتھ رکھے جس کے میں نہ پڑا ہوں، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور ہستوں پر بیویوں سے بھی اظہار انداز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نہ وہ فریاد و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل پاتے۔ (اس حدیث کو نقل کرنے) ابو ذر فرماتے ہیں کاش میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔

اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب ایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام و مقصد یہی ہے کہ یہ تعین جو یقین حقائق اس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اس کی طرف وحی کی جائے وہ بندے دوسرے بندوں کو پہنچانے، اور اس پر ایمان لانے والے اُسکے امتوں کا مقام اور کام

اَكْثَرْتُمْ ذِكْرَهَا ذِمَّ اللَّذَاتِ لَشَعْلَكُمْ عَمَّا ارَى الْمَوْتَ فَاكْثَرُوا ذِكْرَهَا ذِمَّ اللَّذَاتِ الْمَوْتَ
 فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمَ إِلَّا تَكَلَّمَ لِيَقُولَ آتَا بَيْتَ الْغُرْبَةِ وَأَتَا بَيْتَ الْوَحْدَةِ وَأَنَا بَيْتُ
 الثَّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّودِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَأَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتُ
 لَا حَبَّ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَى فَإِذَا وَلَيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتُ إِلَى لَسْتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ
 لَيَسَّعَ لَهُ مَذْبَعُهُ وَيُفْتَحَ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ
 لَا مَرْحَبًا وَلَا أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتُ لَا بُغْضَ مِنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَى فَإِذَا وَلَيْتُكَ الْيَوْمَ
 وَصِرْتُ إِلَى لَسْتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ لَيَلْتِمَّ عَلَيْهِ حَتَّى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ ﷺ بِأَصَابِعِهِ لَمَّا دَخَلَ بَعْضُهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيَقْبِضُ لَهُ سَبْعُونَ بَيْنًا لَوْ أَنَّ وَاحِدًا
 مِنْهَا لَفُخَّ فِي الْأَرْضِ مَا أَتَيْتُ فَيَتَنَا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا لِنَهْسَتِهِ وَيَخْدِشُنَا حَتَّى يُفْضِيَ بِهِ إِلَى
 الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ
 النَّارِ۔ (رواه الترمذی)

حضرت امام عید خدائی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف
 لے کر تپنے والے دنوں میں جانا شروع کیا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں،
 (اگر یہ حالت عادت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اس حالت کی اصلاح کیلئے)
 ارشاد فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں
 اس غفلت میں مبتلا ہونے سے لڑکھائے گا اور موت زیادہ یاد کرو۔ (اسکے بعد فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی
 زمین کا وہ حصہ جسکو مرنے کے بعد آدمی کا آخری گھر بنانا ہے) ہر روز پھرتی ہے۔ (ظاہر یہ ہے کہ زبان
 قال سے پھرتی ہے، وراہی اس چاروں ہی ان شے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنا پاتا ہے، اور یہ مطلب بھی ہو
 سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبان حال سے پھرتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور
 کھنڈ ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس چاروں قسموں کے بعد وہ وقت سن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے
 زبان حال کی باتیں سننے والے کان سے فرماتے ہوں)۔ (اسکے بعد آپ نے اپنی تفصیل بیان فرمائی کہ
 مرنے کے بعد جب بندہ جاوے گا اس زمین سے پڑتا ہے اور وہ اس کے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق
 کے لحاظ سے زمین کا ہر تار سے ساتھ ساتھ مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے
 سپرد کیا جاتا ہے جو اچھے مومن، مسلمان، قوزمین (سی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال
 کرتی ہے، وراہی کہ مرنے والے کو اللہ تعالیٰ پروردگار پروردگار کے خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تمہیں
 معلوم ہونا چاہئے کہ جتنے دن مرنے والے پر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی
 تھے، اور آج جب تم میرے سپرد ہو گئے ہو، اور میرے پاس آ گئے ہو، تو تم اچھو گے کہ (تمہاری
 خدمت اور راحت رسائی سے) میں تمہارے ساتھ یہ معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اس بندہ
 مومن کے لئے حد کا وہ تکسع ہو جاتی ہے، اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا

جاتا ہے۔ اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی یا (آپ نے فرمایا کہ) ایمان نہ لانے والے آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آ گیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اڑھن اڑھن ہو جاتی ہیں۔ ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا۔ اسکے بعد فرمایا ”پھر اس پر ستر اڑھن مسطہ کر دیتے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اُرد زمین میں پھنکار دے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبز نہ اگا سکے، پھر یہ اڑھن اسے برابر ہانتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ: اسکے سوا کچھ نہیں کہ قبہ یا توبست کے بانچوں میں سے ایک بانچہ ہے، یہ دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔

قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، ان کا جواب بھی دیا جا چکا ہے، یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد علم برزخ کا ٹھکانہ ہے، خواہ وہ اصل ذاتی قبر ہو یا پتھر، نیز وہیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات ہمیں جہاں جہاں حدیثوں میں ملے گا یا کسی طرح کا کوئی دوسرا بڑا عدد آتا ہے، تو اس سے مراد صرف کثرت اور بہتات بھی ہو سکتی ہے، اغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس روح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلاشبہ یہ تیرا بہدف علاج ہے۔ عسی بہ میں جو تقویٰ، جو خوف خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہؐ کے اسی طریق علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف سچے ان ہی بندگان خدا میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف اور خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

عَنْ أَبِي بَنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ذَهَبَ لَنَا اللَّيْلُ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَذْكُرُوا اللَّهَ أَذْكُرُوا اللَّهَ جَاءَتْ الرَّاجِفَةُ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ۔

(رواہ الترمذی)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کا معمول تھا کہ جب وہ تہائی رات گزر جاتی تو آپ اٹھتے، اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آ گیا ہے بلا ڈالنے والا، قیامت کا

بھونچال (یعنی نکتہ اولیٰ) اور اسکے پیچھے آ رہا ہے دوسرا (یعنی نکتہ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے، جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے تعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔

شرح رسول اللہ ص کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز، عشاء، وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عاملین، ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور غینہ کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کیلئے اس وقت آپ اتنوقیہ مت کی سرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔ بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا اسیر ہے۔ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کیلئے بستر سے اٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کا فور ہو جاتا ہے۔

.....

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ خَافَ أَذْلَجَ وَمَنْ أَذْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ إِلَّا إِنْ سَلَعَهُ اللَّهُ عَالِيَةً إِلَّا إِنْ سَلَعَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ -

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عاقبت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ یاد رکھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے۔ یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔

عرب کا مودستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت و عاقبت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مثال سے سمجھایا، کہ جس طرح رہزنوں کے حملے سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی غینہ کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کے لئے اپنی راحتوں لذتوں و رخصتوں کو قربان کرے، اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتایا، کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ

یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے۔ جو جان و مال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیزِ جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ **ان تعدوا نفع الله**۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان و مال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری رہیو اسے بنی ہو شیر اور دوراندیش بنو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَنْ أَكْبَسُ النَّاسَ وَأَخْزَمُ النَّاسَ قَالَ أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ.

وہ نظریں فی المعجم لصغير

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس وقت کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دوراندیش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو موت ایک چیز ہے، انشمنہ اور ہوشیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا عِز و ارادہ بھی۔

جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، جس لیے کبھی فانی نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دوراندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت و چشمِ نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناواقف اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

عَنْ شَدَادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ.

شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور ناتوان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشاتِ نفس کا تابع کر دے (اور جسے ہمارے خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔

تشریح دنیا میں کبسی (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کمانا چاہے کر سکتا ہو، اور جو قوف و ناقوس وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو۔ اور اہل دنیا جو اس دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی نہ ہی کیسے ہے جو اس

دنیا میں اللہ کی امانت اور بندگی والی زندگی گزاریں، اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بناد رکھا ہے۔ اور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کا بندوبست کیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اپنے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں۔ خواہ دنیا ممانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھر تیسرے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناصواب اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والے ہیں اس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے کہ

گندم از گندم برآید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص گمانی کی جاتی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروا اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے امیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ لوگتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور ان کا انجام نامراد ہی ہے۔ پس معصوم ہوا کہ رجا، یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی امید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو امید بے عملی اور بد عملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجا، محمود نہیں ہے بلکہ نفس شیطانی کا فریب ہے۔

آئی اور عبادت کرنے والے بندے

عن عائشة قالت سألت رسول الله عن هذه الآية والدين يؤتون ما تواروا قلوبهم وجدة انهم الذين يشربون الخمر ويسرقون قال لا يا ائمة الصديق ولكنهم الذين يصومون ويصلون ويتصدقون وهم يحافون ان لا يقل منهم اولئك الذين يسارعون في الخيرات (رواه الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے قرآن مجید کی آیت

نواؤ قلوبہم وحنہ کے بارے میں دریافت کیا، کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اب میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

سورہ مومنوں کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے

ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سہقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ (جس کا لفظی ترجمہ

یہ ہے کہ ”وہ لوگ جو دیتے ہیں جو سمجھ کر دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترسوں رہتے ہیں)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے بلکہ گناہکاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں! اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اجماعِ شیعہ بندے مومنین ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اسکے باوجود ان کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے

(یہی بندے حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی شانِ بے نیازی اور اس کا قہر و جلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے، کسی کے دل میں جس قدر خوف ہو گا، اسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا حجت

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا يَخْرُ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمٍ وَلَدَ إِلَى يَوْمٍ يَمُوتُ فِي مَرْضَاةِ اللَّهِ لِحَقَرَةِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔

عثمان بن عُمیر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی، وہ حقیر سمجھے گا۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہو گئی، اور جزاء و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پر وہ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہو گا، یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں

پڑا رہا ہو، اُس کا احساس بھی یہی ہو، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی تپتے سمجھے گا۔

قیمت سے بے شمار نعمتیں ملنے والے غائبانہ جہنم کی باز پرس ہونی

۱۰. عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّكَ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللَّهِ طَالِبًا۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ان سے فرمایا اب عائشہ! اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔

جہنم کو لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو کناہ چھوٹے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ کناہ ہیں، اور ان کے مرتے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ اس حدیث میں رسول اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہی نصیحت فرمائی ہے۔ اس کی خاص مخی طبع حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ یقیناً درحقیقت یہ اختیاب اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت کے خاص ہواہموں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے، تو ہمارے لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا نیابت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ کناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور بکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنی ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہر ہے اور کم زہر یا بے سانپوں میں ہوتا ہے، جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے ہیں اور بھگتے ہیں، اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، یہی ان حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

انسانوں کے انہدام کا خوف اور رحمت اللہ کی امید

۱۱. عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَخَلَ عَلَى شَابٍ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَحْذُكُ قَالَ ارْجُوا اللَّهَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي فَقَالَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو مِنْهُ وَأَمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ایک جوان کے پاس اُسکے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا

(یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اسکے چہرہ پر پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے بھی تر ہوا ہو، اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آگ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی۔ اس میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، اس کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضہ اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ نہ ہوا ہو جس سے تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر ابھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو۔ یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ ممکن تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے کم کے روئے کھڑے ہو جائیں سادات

۱۰۱۔ عَنِ الْعَبَّاسِ رَلَعَهُ إِذَا فَشَعَرَ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ تَحَاثَّتْ عَنْهُ خُطَايَاهُ كَمَا تَحَاثُّ عَنِ الشَّجَرَةِ النَّبَالِيَّةِ وَرَلَقَهَا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے روئے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

خوف و خشیت اور ہیبت، اصل قلبی کیفیت ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر بشارت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسے اثر سے رہتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو کرتے ہیں، اسی طرح جب اس پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے روئے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضراتِ عہدِ ائمہ بن مسعودؓ اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو کرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان و سنی گئی ہے، اسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنی گئی ہے کہ بندہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے روئے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

یہ بات کہ خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ بات ہے اور وہ اس کی

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصَى بَنِيهِ إِذَا مَاتَ لَحَرِّقُوهُ ثُمَّ اذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ لِيُعَذِّبَهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوا مَا أَمَرَهُمْ فَأَمَرَ اللَّهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ لِفَقْرَةٍ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزارا تھا) جب اس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی بچھی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے بڑے انجام سے وہ بہت ڈرا یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جہاں براہ راست آگیا ہے وہاں ہی اس رکھ دو میں سے کسی کو نہیں خشکی میں بھیج دو، نہ دریا میں نہ جہاں میں بہاؤ دینا (تاکہ) میرے پتہ نشان بھی نہ رہے، اور میں جہاں سے آئے ہوں وہاں زندہ نہ کیا جاؤں، نہ جہاں سے آئے ہوں وہاں زندہ نہ کیا جاؤں، تو وہ مجھے یہ سخت عذاب دے گا جو دنیا جہاں میں کسی کو بھی نہ دیکھا۔ اسکے بعد جب وہ مر گیا، تو اسکے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جہاں اس کی رکھ کر پتہ نہ ہو اسی جہاں زندہ نہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا کیا تو نے ایسا یوں کیا اسے عرض کیا اب میرے ماں باپ کا خوف جانتا ہے۔ تو اس نے فرمایا میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی خشکی کا فیصلہ فرمایا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ پورا خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اہل بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور پورا سمجھا کہ میری رکھنے سے اس طرح خشکی اور تری میں منتقل ہو جائے گا۔ بعد میں یہ پورا زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشا اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اسکے عذاب کا ڈر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

حدیث کے مختصر یہ ہے کہ بارے میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے تب ہی ہوں۔ پھر ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کر دیا، مطلب پورا کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶. عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَكَ لَنْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَى. (رواه احمد)

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ ایستہ تقویٰ، یعنی خوف خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند)

مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے (یعنی خوف خدا اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقویٰ میں جو جتن بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے

۱۷. عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْشِي تَحْتَ رَاحِلَتِهِ فَلَمَّا لَرَعَ قَالَ يَا مَعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هَذَا وَلَمْ يَرْنِي لَبَكِي مَعَاذٌ جُشَعًا لِيُرَاقِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ التَفَتَ لِلْأَهْلِ بِوَجْهِهِ نَحْوَ الْمَدِينَةِ لَقَالَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِى الْمُطْعُونَ مَنْ كَانُوا وَخَيْتُ كَانُوا. (رواه احمد)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی ان کو پچھ نصیحتیں اور نصیحتیں فرماتے رہے۔ اُنکے ساتھ چلے، اس وقت حضرت معاذؓ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضورؐ خود ان کی سواری کے نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپؐ ضروری نصیحتوں اور نصیحتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپؐ نے یہ فرمائی، کہ اے معاذؓ شاید میری زندگی کے اس سال۔ بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپؐ نے ان کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اور میں منقرض ہو گیا ہوں) (اب جب ابھی تم یمن سے واپس آؤ، تو مجھے سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پر گزرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ (حضورؐ کی وفات کے تصور، اور) آپؐ کے فراق کے صدمہ سے رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر کے، اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا، مجھ سے زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقویٰ والے)

زندگی گزارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں، اور جہاں نہیں بھی ہوں۔

حضور کے ارشاد کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اس تعلق کا دار و مدار تقویٰ پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنا ہی دور یمن میں یا نیا کے کسی بھی حصہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اور تقویٰ نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اسکے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا دل تقویٰ کی دوست سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اُس سے دور ہوں۔ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت معاذ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقویٰ تمہارے دل، اور تمہاری روح کو نصیب ہے، تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہوئے۔ اُسے علاوہ دنیا کی یہ زندگی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سرے تقویٰ والے بندے ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ نے اپنا رخ غالباً اس لئے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا، کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونادیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اسلئے اس وقت آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کر دیا اور خود بات کرتے ہوئے پیادے نیچے چلتے رہے۔ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، ان سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفعت نصیب فرمائے، جسکی بشارت حضور نے اس حدیث میں دی ہے۔

ف وحسبت اور فکر آخرت کے لحاظ سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کمال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جا رہی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کا حال کیا تھا۔ اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے۔

۱۸ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا مِنْكُمْ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيرُهُ مِنَ النَّارِ

وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کسی کا عمل اس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچ سکے گا، اور میرا بھی یہی حال ہے، مگر اللہ کی رحمت اور اس کے کرم سے۔“ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے جنت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوف و خشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کیلئے کافی ہے۔

عن عاصم قال قال النبي إذا عصمت الریح قال اللهم انی اسئلك حیرها وحیر ما فیها وحر ما أرسلت به واعدوك من شرها وشر ما فیها وشر ما أرسلت به وادما تحببت السماء تعب لونه وحر ودرحل واهل وادبر فادما مضرت سری عنه فعرفت ذلك عاصم فسأله فقال لعلة یا عاصم کما قال قوم عاد فلما راوه عارضا مستقبل اودیتهم قالوا هذا عارض ممطرنا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیاہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ آواز جاری رہ جاتی۔ (اسے میرے اند میں قہر سے سوال کرتا ہوں اس سے ان جہاں میں جو پتھر تھے اس کی جہاں میں ہوا جس مقصد کے لئے یہ نتیجہ نکلے اس کی جہاں میں قہر میں تھا وہ پتھر تھے اور اس میں جو پتھر تھے ان سے شر سے اور جس مقصد کے لئے یہ نتیجہ نکلے اس سے شر سے) اور جب آسمان پر ابر آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) بھی بہا کرتے، بھی اندرجاتے، بھی آتے بھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور شہادت سے نڈر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کی اس حالت و عبادت کو نبی یا اور آپ سے پوچھا کہ تیرا ہوا اور ابر و ابر و ابر و ابر کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں (میں درتا ہوں) شاید یہ برہ باد اس طرح کا ہو جو (حضرت ہوا پیغمبر کی قوم) کی طرف بھیجا جاتا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے) کہ جب ان لوگوں نے اس بادل واپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہہ دیا ابر ہمارے بارش لے گا۔ (یہ کہہ کر بارش آئی اور نہ تھا، بلکہ آمد تھی کا بلاست خیر طوفان تھا، جو ان کو تباہ کرنے ہی کے لیا تھا)۔

حضرت عائشہ کی اس حدیث کا حاصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور ﷺ کے قلب مبارک پر اللہ نے خوف و خشیت کا ایسا غلبہ کیا کہ فرما ہوا تیز چلتی تو آپ خجہ ابر اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر کے حاصل کرنے کی دعا کرتے اور دیر سے انتظار رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر ابر نمودار ہوتا تو اللہ کے جہاں کی عبادت و ہیبت سے آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ بھی اندرجاتے بھی بہا کرتے بھی آتے بھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اس خوف اور شہادت سے ہوتی کہ میں ہاں کی مثل میں اللہ کا ویسا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت

ہود کی سرکش قوم عاد پر ابرہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انہوں نے اس کو ابرہہ رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آندھی تھی۔ حدیث میں آیت کے جو الفاظ عقل کئے گئے ہیں وہ تمام ہیں۔ آخری حصہ یہ ہے

۔۔۔۔۔

۲۰. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ حَبَّتْ لَنَا شَيْبَتِي هُوَذُ وَالْوَاقِعَةُ وَ الْمُرْسَلَةُ وَعَمَّ يَتَسَاءَ لُونُ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ.

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! آپ پر بڑھا پا گیا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ مجھے بوڑھا کر دیا سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ عم یقساء، لون اور سورہ تکویر (المتیس کورت) نے۔

رسول اللہؐ کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہت تھی اور قوی جیسے چتھے، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز عرض کیا، کہ، حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورہ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور بحر موتوں پر اللہ کے عذاب کا بڑا ہشت ناک بیان ہے۔ آنحضرتؐ ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تدوین سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکریہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو بعد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے آنحضرتؐ کے قلب مبارک کا حال کیا تھا۔

۲۱. عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْمُؤَبَّاتِ بِغَيْرِ الْمُهْلِكَاتِ.

حضرت انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمہاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہؐ کے زمانہ میں انکو مہلکات میں شمار کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ صحابہؓ اکرام پر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور وہ آخرت کے حساب و انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان

سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے، جیسے ہلکے کر کے وہ چرواہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۲۲. عَنْ الضَّرْفَاءِ كَانَتْ ظَنَمَةً عَلَى عَهْدِ أَبِي لَهَبٍ لَقُلْتُ يَا أَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هَذَا يُصَيِّبُكُمْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنْ كَانَتِ الرِّيحُ لَفُشَّتْهُ فَهَادِرُ إِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ تَكُونَ الْقِيَامَةُ

نہر تاشی بیرون رستہ میں کہ حضرت اس کے زمانہ میں یہ دفعہ کان آمدھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے یہ فرمایا کہ ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آمدھیاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ان کی قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف ہٹ جاتے تھے۔

۲۳. عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لَقِيتُ أَبُوبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا تَقُولُ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ نَذِيرُونَ بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ عَالَسْنَا الْأَرْوَاحَ وَالْأَوْلَادَ وَالضُّيَعَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللَّهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ ذَلِكَ فَاِنْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُوبَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَكَ نَذِيرُونَ بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَالَسْنَا الْأَرْوَاحَ وَالْأَوْلَادَ وَالضُّيَعَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ ﷺ وَاللَّيْلِ نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَذَرُونِي عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَلِي الذِّكْرُ لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةَ عَلَى كُرْسِيِّكُمْ وَلِي طَرَفُكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ مَسَاعَةٌ وَمَسَاعَةٌ لَكَ مَرَاتِبٌ

حضرت حنظلہ بن ربیع اس حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو بکرؓ اور انہوں نے پوچھا حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ نفاق۔ تو منافق ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، بات یہ ہے کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرماتے ہیں، تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل جاتے ہیں، تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم نوا اپنی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور پھر ہم بڑے بڑے بھول جاتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اس کے بعد میں اور ابو ہریرہؓ دونوں چل دیئے، اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں نے (پناہوں بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اذلتہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر

آئے ہیں، تو بیوی بچے، ور جیتی بادی سے، سارے سارے پھول، سینے کی دھڑکن سے پھر
جھول جاتے ہیں، یہ سن کر دل اندر سے فاپور پھوٹتا ہے، سارے سارے گھر کے اندر سے
جان بے پروا، تیرا، امان بیتروں سے، دھڑکن سے، دھڑکن سے، دھڑکن سے، دھڑکن سے
تہہ ہر سے، سڑوں پر، اس کے سس سے، سس سے، سس سے، سس سے، سس سے، سس سے، سس سے، سس سے
ہے، بلکہ) بس اتنا ہی کافی ہے، کہ وقتاً فوقتاً یہ ہو جا رہا ہے، یہ بات آپ سے نہیں، انرا اتنا کافی

فکر کس درجہ میں تھی کہ اپنی سات بی بیوں کو قبر اور آستانہ میں لے کر چلا گیا تھا۔

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَذَرُنِي مَا قَالَ ابْنُ لَاحِيكَ قَالَ
قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنَّ أَبِي قَالَ لِأَبِيكَ يَا أَبَا مُوسَى هَلْ يَسْرُكُ أَنْ اسْلُمَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ
وَهَجَرْتَنَا وَجِهَادَنَا مَعَهُ وَعَمَلْنَا كُلَّهُ مَعَهُ بِرَدِّلَا وَأَنْ كُلَّ عَمَلٍ عَمَلْنَا بَعْدَهُ لَجُورًا مِنْهُ كَقَالَا
رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقَالَ أَبُوكَ لِأَبِي لَا وَاللَّهِ لَنْدُ جَاهِدْنَا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ وَصَلَّيْنَا وَخَضَمْنَا
وَعَمَلْنَا غَيْرًا كَثِيرًا وَأَسْلَمَ عَلَى أَيْدِينَا بَشَرٌ كَثِيرٌ وَإِنَّا لَنَرْجُو ذَلِكَ قَالَ ابْنُ لَاحِيكَ لَكَئِنْ آتَاكَ الْبَلَاءُ
لَفَسَّ عُمَرَ بِإِيْدِهِ لَوِدِدْتُ أَنَّ ذَلِكَ بِرَدِّلَا وَأَنْ كُلَّ شَيْءٍ عَمَلْنَا بَعْدَهُ لَجُورًا مِنْهُ كَقَالَا
رَأْسًا بِرَأْسٍ، قُلْتُ إِنَّ أَبَاكَ وَاللَّهِ كَانَ حَيًّا مِنْ أَبِي.

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ ادا ہوئے۔ ایتھاپاؤں کے تین بھائیوں نے کہا کہ ہم نے کہا، یہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ والد کے قتل کے باعث ہے۔ یہاں تک کہ معلوم نہیں، انہوں نے کہا کہ یہ والد کے قتل کے باعث ہے۔ یہاں تک کہ خوش اور راضی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے ہمارے اعمال جو آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا سوا اور اجر ہم کو عطا فرمائے)۔ آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ ان سے ہم برابر رہے۔ ہر پر چھٹی پابا میں (یعنی حضورؐ کے بعد ہم نے ہاتھ رکھے۔ آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ ہم کو جواب دے اور نہ عذاب)۔ (عبد بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ تمہارے والد نے کہا کہ ہمیں اخذ کی قسم میں قیہ نہیں پابا۔ ہم نے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ ہمیں نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور (اللہ تعالیٰ کو شکر ہے)۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ خیر کہے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور ہمارے ہاتھوں پر ہاتھ رکھے۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے جو وعدہ پوری امید کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ آپ سے یہاں سے نہیں ہوں)۔ اس پر یہ والد (حضرت عمرؓ) نے چھ فرمایا۔ ہم اس سے پوری امید کرتے ہیں۔

کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ - کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے سے ثابت رہیں، اور تم لوگ ان کا سلسلہ عطا یا جاوے، اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کئے ان سے ہم برابر رہا کرتے ہیں۔ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، کہ) میں نے عہد اللہ بن عمرؓ سے کہا، کہ خدائی قسم! تمہارے والد (حضرت عمرؓ) میرے والد (ابو موسیٰؓ) سے افضل تھے۔

جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتداء میں پڑھتی ہوئی نماز کی مقبولیت کی امید بجاتی ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ میدان دہی کرتے تھے، کہ رسول اللہ - کیساتھ جو اعمال خیر، نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آئندہ امت کے لیے نیکیت کی نسبت و تربیت سے ضروری انشاء اللہ قبول ہونگے، لیکن جو اعمال خسور کے بعد نہ آئے، یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہل معرفت کی طرح ان کے نجس و ناپاک اثرات سے بچنے کی اپنی سلامتی، کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر رہ کر پچھتی نہ جاوے، ان پر عذاب ہونے کا ڈر نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ کا قصہ، محبوبِ غفران نشو و نما، راضیہ کر مددِ علتِ عصیاں نشو و نما، حدیث سے آخر میں بڑے بڑے حضرات نے بعد میں عمرؓ کے جو یہ بیان کیا کہ خدائی قسم میرے والد تمہارے والد افضل تھے، پھر اس سے نہ کاٹے، نہ بڑھائے، نہ کماتے، نہ اضافت کرتے، اپنے اعمال سے بے ایمانی و رخ کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔ صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے اقوال و شبہات کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے۔
(اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر

سونا ہو، تو میں اللہ سے عذاب سے ڈینے سے پہلے اس سب و فدیہ میں، بے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑاؤں)۔
اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ - کی زبان مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سنی ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے ”قریباً نرا بیش بود حیرانی“ اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیائے دنیا کی ترقی و ترقی

کے سلسلہ کی جو حدیثیں آئے، دنیا کی جارہی ہیں، ان میں رسول اللہ - نے دنیا کی ترقی اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے۔ چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق، اور شغف و انہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خاص دنیوی اور مادی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں، اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف

دیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرینِ حدیث کی طرح ان

حدیثوں ہی کے بارے میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اسلئے اس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید، ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

واللہ ولی التوفیق

دنیائے فانی

یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گزار رہے ہیں، اور جس کو اپنی نعمتوں کا نوحہ و غیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اہداع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آئیں، جن کا ہمارے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالم آخرت میں پہنچ کر دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اہداع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے۔ الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے، اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجائے گا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے اور عقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں حمد و ثناء پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، یہ خلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنایا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوائی زندگی عطا فرمادی جائے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: **وہو عطاء خلد وندی جس کا سلسلہ بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲**

اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر ہوگا۔ ان کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں جا بجا فرمایا گیا ہے: **وہ ہمیشہ اسی جہنم میں پڑے رہیں گے۔ ۱۳**

وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۴

اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مر کر یہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ ۱۵

۱) وہ عطاء خلد وندی جس کا سلسلہ بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲

۲) وہ ہمیشہ اسی جہنم میں پڑے رہیں گے۔ ۱۳

۳) وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۴

۴) اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مر کر یہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی

جائے گی۔ ۱۵

[illegible]

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی فکر، یعنی پسِ آخرت ہی کے لئے ہو، اور دنیا سے

وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سر اسر غیب اور
 ان کے سامنے ہے۔ ان کے لئے دنیا ہی فکر و طلب کا لب
 لبہ ہے۔ ان کا حال اس معاملہ میں بالکل اُن چھوٹے
 بچوں کی طرح ہے جو دنیا کی باتیں کرتے ہیں
 اور ان کی باتیں سننے والے بچوں سے زیادہ بڑے بچے
 ان کی باتیں سن کر ان کی باتوں سے غافل رہتے ہیں۔

ج۔ وہ اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے ذریعہ ہمیشہ انسانوں کی
ان غلطیوں اور غم و مری کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہی، اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا جو رعبہ ہے، اور دنیا
کا جو غم و غم و غم ہے، وہ انسانوں سے اس بار میں غائب ہمیشہ
ہو گا۔ ان غلطیوں کی تلافی ہو گی۔

١ "بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا - وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى - إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى - صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى."

(۲) قرآن پاک چونکہ اللہ کی طرف سے روئے زمین کے آسمانوں کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے، سہنے میں اور جہی زیور اور اہمیت کے ساتھ جب مختلف عنوانات سے دنیا کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ کہیں پر فرمایا گیا ہے

فَلَمَّا مَتَّعَ الدُّنْيَا قَلِيلًا - وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى -

اے پیغمبر! آپ نہ دُور نہ قریب، نہ نیا کام نہ یہ تو بہت ہی قریب ہے، اور آخرت بہتر ہے پر میز
کاروں میں۔
کہیں رشادِ فریدیہ

تمہارا حال یہ ہے کہ تم (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا) بہتر اور بہت زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات اگلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔ ۱۲

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ ۳۹۔ ۳۹۔

اور دنیا کی زندگی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں (افسوس نہ پڑے!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں؟
کہیں اور ارشاد ہے۔

إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۚ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ ۴۰۔ ۴۰۔

یہ دنیوی زندگی (اور یہاں کا ساز و سامان) تو بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔
کہیں فرمایا گیا:

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْفُرُورِ ﴿۴۱﴾

الحديد، ۵۷، ۶۰

اور آخرت میں (بھرموں اور باغیوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) ان کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے۔ اور دنیوی زندگی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے۔

۱۱۔ الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی رہت و رہنمائی کے لئے اور آخرت کی بھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فدا و بہبود کے لئے اپنی پینچنے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ تکی نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصد و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوائی و طمن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اس کے دل کا رخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور **نفس** ۱۔ **نفس** ۲۔ **نفس** ۳۔ اس کے دل اور اس کی روح کی صدا ہو۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانیوالوں کے دلوں پر اپنے نمل اور حال سے بھی اسی کا نقش کرتے تھے۔ الغرض رسول اللہ کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی، جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب

و مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

۱ یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و حدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھولنا نہ ہو تاہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنت تک پہنچنے کا زینہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

— — — — —

۲۵ عَنْ مُسْتَوْرِ بْنِ شَدَادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ وَاللَّهِ مَا الدُّنْيَا لِيَ الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ

روایت ہے مستور بن شداد سے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکالے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں بہ کر آئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ دنیا اور جو چیزیں دنیا میں ہیں سب محدود و متناہی ہیں، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ محدود و متناہی اور لامحدود و لامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی، جب حقیقت یہ ہے، تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی کھائے میں رہنے والا ہے جو دنیا و حاصل کرنے کیلئے خوب جدوجہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پروا ہے۔

۲۶ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِجَذْيٍ أَسْلَمَ مَتِّبٍ لِقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ هَذَا لَهُ بَدْرُهُمْ؟ لِقَالُوا مَا نُحِبُّ إِلَهَ لَنَا بِشَيْءٍ، قَالَ فَوَاللَّهِ لِلدُّنْيَا أَهْوَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا گڈر بکری کے ایک بڑے مردہ بچے پر ہوا، جو راستے میں مر چکا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان سے آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس مردے کو بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل و رے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردہ بچہ ہے۔

۱۱ یہ حدیث کے غلط کا ترجمہ ہے، یعنی بن کانوں کا، خواہ فعلی طور پر اس کے کان نہ ہوں، یا بہت چھوٹے ہیں یا کئے ہوئے ہوں، ان تینوں صورتوں میں سے کا غلط ہے، جاتا ہے، اور یہ ان ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے، ایک مرد رینگے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، گھسن سے منہ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اُس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں، اور ان کو بتلاتے ہیں کہ یہ مرد اربچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے۔ اس لئے اپنی طب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ، بلکہ آخرت کے حاسب بنو۔

۲۷ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بُعْضَةِ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً.

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت ٹھکر کے برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

یعنی خدا و رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے، (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہاں کسی دشمن خدا کو ٹھنڈے اور خوشوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

۲۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَدُّنَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ (رواہ مسند)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھالیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ چار و ناچار ہر معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے۔ اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کی کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا، اور اس کی ہر

خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گزرنے پر بھی کسی ہنسی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۱۳)

جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں، اور جسے تمہارے آنکھوں کو لذت و سرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔

اور سورۃ کہف میں فرمایا گیا

لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا

جنتی جنت سے نہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے نفی نہ لگائیں، اور حقیقت پوش نہ رہیں کہ اس دنیا واپسی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگانا، اور اسکے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھیجی ہے، جس میں ہر مومن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہو، جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مومن ہے، اور اگر اس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس واپس مقصود و مطلوب بن گیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

وَمَا يَكْفُرُ بِهِ إِلَّا الْأَقَلُّ مِنَ النَّاسِ وَمَا يَكْفُرُ بِهِ إِلَّا الْأَقَلُّ مِنَ النَّاسِ

۲۹. عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضُرَّ بِآخِرَتِهِ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضُرَّ بِدُنْيَاهُ فَالْزُورُوا مَا يَنْفَعُ عَلَى مَا يَنْفَعُ.

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنا لے گا وہ اپنی آخرت کا ضرر و نقصان کرے گا، اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنا لے گا وہ اپنی دنیا کا ضرر و نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ) فقاہو بننے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر، سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پیش پشت ذل سے کا دیا سمجھے بہت مجہد و جہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنا لے گا، اس کی اصلی سعی، کوشش آخرت کے واسطے ہوگی اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جدوجہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ

سکے گا، پس صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جائے گی۔

اللہ سے تعلق کے بغیر یہ دنیا لعنتی ہے۔

۳۰. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دُنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللَّهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالَمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور ان چیزوں کے، جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی جلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اس سے تعلق ہے، خاص کر علم دین کے حاملین اور متعلمین سوائے اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بلا واسطہ، لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا ان ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور محروم اور قلیل لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اس کے تعلق سے، اور دین کے علم اور اس کے تقام سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

صاحب دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا

۳۱. عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَمْشِي عَلَى الْمَاءِ إِلَّا ابْتَلَتْ لَدَا مَاهُ؟ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ كَذَلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلُمُ مِنَ الدُّنُوبِ -

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے، اور اس کے پاؤں نہ بھگیں؟ عرض کیا گیا: حضرت! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

صاحب الدنیا (دنیا دار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اس میں لگے، یہ آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو، اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیا دار نہ

ہوگا، اور دنیا میں بٹہ ہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گنہگار رہے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے صراحت سے آجائے گا۔

مذہبِ حق اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے

۳۶ عَنْ قُتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظِلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ.

قتادہ بن نعمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو)۔

ترجمہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے دنیا دراصل وہی ہے جو اللہ سے خافل کرے، اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ ٹھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازنا چاہتا ہے، اُن کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا ایک گھبراہٹ ہے۔

۳۷ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَنْكَبِي لَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو ہاتھوں کو پکڑ کر مجھ سے ارشاد فرمایا، کہ دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیس کی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔

ترجمہ یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہنمائی کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا، وہاں اپنے تئیں بے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ہر شے فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہنمائی سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اسی دنیا میں ہے۔ جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کر لی، ان کی زندگی و ران کی سیرت اسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہو گئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کر سکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی۔ اسی نے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد

پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

۴۰ عَنْ عُمَرَ وَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا عَرْضٌ حَاضِرٌ يَأْكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ أَلَا وَإِنَّ الْأَجْرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَيُقْضَىٰ فِيهَا مَلَكٌ لَّادِرٌ أَلَا وَإِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهُ بَعْدًا فَيُرِيهِ فِي الْجَنَّةِ أَلَا وَإِنَّ الشَّرَّ كُلَّهُ بَعْدًا فَيُرِيهِ فِي النَّارِ أَلَا فَاَعْمَلُوا وَأَنْتُمْ مِنَ اللَّهِ عَلَىٰ حَذَرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُعْرَضُونَ عَلَىٰ أَعْمَالِكُمْ لَمَنْ يَعْمَلْ مِنْكُمْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔

حضرت عمرؓ بن خطابؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہؐ نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ سُن لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک مارضیٰ اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اُس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اُس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقرر و وقت پر آنے والی ایک نئی اصل حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشخواری اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور دکھ اُس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار، خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو)، اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس اُس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہو، وہ اس کو بھی دیکھ لیگا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

انسان کی سب سے بڑی بد بختی اور سیکنڈوں قسم کی بد کاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گزارے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطلق نظر بنالے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمت کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے، اور قیمت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین ان کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ حضورؐ کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپؐ کے اکثر خطبات اور مواظظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت کم ہو گیا ہے، گویا نہیں رہا

ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی ہیں۔

۳۵. عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَىٰ وَطُولُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوَىٰ فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُولُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ وَهَذَا الدُّنْيَا مَرْجَلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهَذِهِ الْآخِرَةُ مَرْجَلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَنُونَ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَكُونُوا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوا فَإِنَّكُمْ الْيَوْمَ فِي دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَأَنْتُمْ غَدًا فِي دَارِ الْآخِرَةِ وَلَا عَمَلَ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر سے روایت ہے، نبیوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت پر جن بدلوں کے آنے سے ڈرتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں ہوی اور طوّل امل ہے، (ہوی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں بھی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تو ان کو قبول حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبول حق اور اتقانِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور (یعنی بھی بھی آرزوئیں میں اس کچھنیں جہاں آخرت کو جلا دیتا ہے اور اس کی فکر اور اس سے تیار رہنے سے غافل کر دیتا ہے)، (اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا مہدم پتی جا رہی ہے، زور دیتی ہے (میں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اترے) چل پڑی ہے، چھٹی آ رہی ہے اور ان دونوں کے بچے ہیں، (یعنی انسانوں میں پانچ دو ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جتنی وابستگی بچوں و اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور پانچ دو ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبتِ دنیا کے آخرت سے ہے) پس اب لوگو! اگر تم آگے نہ بڑھو تو ایسا کرو کہ دنیا سے پھٹنے والے اس کے بچے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو ارا عمل سمجھو) تم اس وقت ارا عمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزاء نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کر کے) اور آخرت میں پہنچ جاؤ گے وہاں حساب ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہو گا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہو گا، اور ہر شخص اپنے کے کا بدلہ دیا جائے گا)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں امت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خط و خطہ فرمایا ہے، اور امت کو ان سے ڈرایا اور خیر و ارا کیا ہے، ایک اور دوسرے۔ غور سے دیکھی جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے امت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے، جن لوگوں میں خیالات اور نظریات کی کمرابیاں ہیں وہ۔ کہ مریش ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طوّل امل اور

جب دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیری سے غافل ہیں، اور علاقہ یہی ہے جو حضور نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا۔ یعنی اُنکے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیاوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقصد ہے۔ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَنْ تَجْعَلَ فِیْ قُلُوْبِنَا

۳۶ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوَاللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ وَلَكِنِ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَىٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَتَنَافُسُوهَا كَمَا أَهْلَكْنَاهُمْ۔

ترجمہ عمرو بن عوف سے روایت ہے، کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں تم پر فقر و فاقہ نہ ڈرتا ہوں، بلکہ میں تمہارے بارے میں یہ ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تمہارے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے و متمولے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دیں، جیسے کہ اس نے ان گلوں کو برباد کیا۔

رسول اللہ کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو ان میں دنیاوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متمولے ہو گئے، اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور پھر آخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ آنحضرتؐ کو اپنی امت کے بارے میں اس کا زیادہ ڈر تھا۔ اس حدیث میں آپؐ نے اُزراہ شفت امت کو اس خطبے سے کہا: "یَا بَنَیْ اِسْرَآءِیْلُ، اَلَمْ یَاکُمْ اَنْ تَجْعَلُوْا فِیْ قُلُوْبِکُمْ دُوْلَةً دُوْنِ دُوْلَتِیْ"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر فقر و فاقہ نہ ڈرتا ہوں، بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آئے گی، تاکہ تم دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔ آپؐ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشامفہم کی خطبہ نائی سے امت کو خبردار کرنا ہے، تاکہ یہ وقت آنے پر اس کے برے اثرات سے اپنے بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَنْ تَجْعَلَ فِیْ قُلُوْبِنَا

۳۷ عَنْ کَعْبِ بْنِ عِیَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِی الْمَالُ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ کعب بن عیاض سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپؐ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر امت کے لیے فتنہ کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دوست کو ایسی اہمیت حاصل ہوئی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس نعمت کے سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اسے صاف محسوس ہوگا، کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور بلاشبہ یہ ہی اس کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدائی بخود و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدایزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجائی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا ذُنْبَانِ جَالِعَانِ أُرْسِلَانِ فِي غَنَمٍ بِالْفَسَدِ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ۔

کعب بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ وہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چبوز دیئے گئے ہوں، ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزت و جاہ کی حرص کرتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حب مال اور حب جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چبوزے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرُمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ فِيهِ الْبُخْلُ وَالْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعَمْرِ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اسکی ساری قوتیں متحمل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اسکے نفس کی دو خصالتیں اور زیادہ جون اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دولت کی حرص، اور دوسری زندگی کی حرص۔

تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے، کہ انسانوں کا عاصی یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مضر قوتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی متحمل اور کمزور پڑ جاتی ہے، تو ان

خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ ماں و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے، کہنے والے نے صحیح کہا ہے۔

تَجِبُ خَوْنٌ بِدَمٍ مُحْكَمٍ شَدِيدٍ قُوَّتِ بَرَكْنَدَنِ آلِ كَمٍ شَدِيدٍ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ ضَائِبًا فِي الثَّيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَكُلِّ الْأَمَلِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا جو بڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوآن رہتا ہے، ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی بی تمنا میں۔

جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگان خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم، یقین، نصیب ہو، ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ بچے حب دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضا الہی اور نعمائے اخروی کا اشتیاق اور اس کی تمنا بڑھاپے میں بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

۱۱۔ مت میں اضافے کی حرص

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ كَانُوا لَابْنِ آدَمَ وَآدِيَانِ مِنْ مَالٍ لَا يَنْتَعِي قَالِفًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتَوَبُّ اللَّهُ عَلَى مَنْ قَابَ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں، تو وہ تیسرا اور چارے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دوست کی اس نہ ختم ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جا کر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے، اگر دولت سے ان کا گھر بھی بھر اہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی ان کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانس تک ان کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جا کر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے ان کو چھٹکارا ملتا ہے۔ اہل دنیا جو بندے دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رخ اللہ سبطہ فرمیں، اور اس سے تعلق جوڑیں،

ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور ان کو اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینان قلب و رغبت نفس نصیب فرمادیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی ان کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔

عن انس بن مالک عن ابي عبد الله عليه السلام قال: من كان في الدنيا على ما ينبغي ان يكون عليه، لم يضره الموت.

۲۰: **عن انس ان النبي** قال من كانت بيده طلب الاحرة جعل الله عناه في قفاه وجمع له سملته واسم الذبا وهي راعمة ومن كانت بيده طلب الذبا جعل الله الفقر بين عيبيه وثبت عليه امره ولا ياتيه منها الا ما كتبت له **اروہ ہرمادی وروہ احمد وندرمی**

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیت اور اس کا مقصد سنی ہو، یعنی اس سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان، اور مخلوق کی متابقت کی کیفیت) اس کے دل کو نصیب فرمائیں گے، اور اس کے یہ اندھوں کو درست فرمائیں گے۔ اور دنیا اس کے پاس خواہ مخواہ میل ہو جائے گی۔ اور جس شخص کی نیت وراپنی سعی و عمل سے اس کا خاص مقصد دنیا طلب نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی متابقت سے آگاہی اس کی تیج پیشانی میں اس کے چہرے پر پیر فرمائیں گے، اور اس کے دل کو یہ اندھ برہیں گے (جس کی وجہ سے اس کو خامہ تہی کی راحت بھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تک و دوک بعد بھی) یہ دنیا اس کو جس اسی قدر ملے گی جس قدر اس کے واسطے پہلے سے مقدر ہو چکی ہوگی۔ (اس حدیث و احسنات انس سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث و احسنات انس سے حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے)

مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتا ہو اسے آخرت کی فراخ بینی و اپنا اصل مقصود بنیٹا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرما کر اس کے دل کو غم نہایت اور جمعیت خاطر نصیب فرمادی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خواہ اس کے پاس آجاتا ہے۔ اور اسے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بناتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی وراپیشی اس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے چہرے پر اور اس کی تیج پیشانی میں اس کے آثار نظر آتے ہیں اور دنیا کی طالب میں خون پسینہ یک کر دینے کے بعد بھی اس طالب دنیا کو جس وہی ملتا ہے، جو پہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے۔ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو جس ایک عارضی اور وقتی نعمت سمجھ کر اس کی طرف اتنی ہی قدر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی قدر ہونی چاہئے۔

عن انس بن مالک عن ابي عبد الله عليه السلام قال: من كان في الدنيا على ما ينبغي ان يكون عليه، لم يضره الموت.

۲۱: **عن امي هريرة قال قال رسول الله** يقول العبد مالي مالي وان ماله من ماله ثلث ما

اَكْلَ فَاَقْنِيْ اَوْ لِبْسَ فَاَبْلِيْ اَوْ اَعْطِنِيْ وَمَا سِوَىْ ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ کہتا ہے میرے مال میں مال، حال، حال، حال، اس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے، وہ بس تین مدیں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پُرانا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا، اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کھائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے وقعتہ و حقیقتہً اس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پینے کی ضرورت میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ درحقیقت اس کا نہیں ہے۔ بلکہ ان وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّكُمْ مَالٌ وَارِثُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَّالِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَّالٍ وَارِثُهُ قَالَ فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالٍ وَارِثُهُ مَا أَخَّرَ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون یہاں جس کو اپنے مال سے زیادہ پسند و رشتہ کا مال محبوب ہو؟ (یعنی پسند باتحہ میں مال اس کے زیادہ محبوب جس کو پسند وارثوں کے ہاتھ میں مال آتا ہو؟) انہوں نے عرض کیا ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چھوڑ دیا، اور جس قدر اس نے بعد کے لئے رکھا وہ اس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (ابنِ اداش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کیلئے چھوڑنے سے زیادہ فکر، اپنی آخرت کیلئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سنت سنت کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہے)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَنْلُغُ بِهِ قَالَ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُو آدَمَ مَا خَلَّفَ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب مرنے والا مرے گا تو فرشتے کہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمال خیر کے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے

کتناں چھوڑ؟

.....

۶۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَعَنَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَلَعَنَ عَبْدُ الْبَرِّهِمْ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ بندہ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندہ دُور ہم خدا کی رحمت سے دُور رہے۔ (ترمذی)

تشریح جو لوگ مال و دولت اور دنیا و دُور اہم کے پرستار ہیں، اور انہوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مصبوب بنایا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور ان کے حق میں بددعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دُور ہیں۔

مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

..... دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

۶۷ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُونُ مِنَ التَّاجِرِينَ وَلَكِنْ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ مَسِّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَتَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (رواہ فی شرح السنہ)

جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسال رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دوست جمع کروں، اور تجارت، سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں۔ بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہو، اور ہو جاؤ اللہ کے حضور میں جھکنے والے، مرنے والوں میں سے اور کہے جاؤ بندگی اپنے پروردگار کی، موت آنے تک۔

جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت و اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت و غیرہاں معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ان تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے مینا تھا، اس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور

۶۸ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث ان کو پہنچی ہوئی ہے ان کا ذکر نہیں کرتے، یہی حدیث مرسل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ ۲

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس قدرتِ فارغ بھی فرمادیا تھا۔
رسول اللہ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو ان ہی کاموں میں اپنے لوگانا ہے جن کا مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔
آپ کے امتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکل نہ طرزِ زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شدائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دوستان کو میسر ہو، تو ان کیسے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جنکا یہ حال نہ ہو، ان کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار دینا ضروری ہے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت مند بننے کا راز: آپ کی شکر پسندی

(۴۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَإِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ - (رواه احمد والترمذی)

ابو امامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اس کے شہریزوں کو) سونا بنا دے، اور سونے سے بھر دے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی تھی، کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں (ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں، کہ) ایک دن پیٹ بھر کھاؤں، اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے جھوکے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرے پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔

تشریح: معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر و فاقہ کی جس حالت میں زندگی بسر کی، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپ کی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کی جائیں گی)۔

دولت مند بننے کا راز: شکر بندہ

(۴۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَغْبَطُ أَوْلِيَاءِي عِنْدِي لِمُؤْمِنٍ خَفِيفُ الْحَادِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا لِي النَّاسِ لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَالًا فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهِ فَقَالَ عَجَلْتُ مَنِيَّتَهُ قُلْتُ بَوَاكِيهِ قُلْتُ تَرَاهُ - (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

جو مائے رحمت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قبلِ رشتہ میرے نزدیک وہ مؤمن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے سارے سامان اور ماں و میاں کے ساتھ بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز اس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اس کی حالت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اٹھ کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی چٹائی بچائی (جیسے کہ کسی چیز کے بوجھانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کیلئے چٹائی بجاتے ہیں) اور فرمایا بعد ازیں اس کو موت، اور اس پر رونے والیوں بھی تم ہیں، اس کا ترکہ بھی بہت کم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے دُعا و حوال مختلف ہیں، لیکن ان میں بہت زیادہ قبلِ رشتہ زندگی اہل ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے سارے سامان اور ماں و میاں کے ساتھ بہت ہلکا پھلکا ہو، نماز اور عبادت میں ان کا خاص حصہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہتے جاتے ہیں ان کی طرف ان کی بھی نہیں جانتا کہ یہ فداں بزرگ و رفد صاحب ہیں، اور ان کی روزی بس بقدر کفاف، لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع۔ جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائیداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ رونے والیوں۔

یہ شبہ بری قبلِ رشتہ ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور الحمد للہ کہ اس قسم کی زندگی واہ سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ مَا لَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ لَوْلَا فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّاكُمْ عَقَبَةٌ كُنُودًا لَا يَجُوزُهَا الْمُثْقَلُونَ فَلَا حِبُّ أَنْ تَخْضَفَ لِنُفْسِكَ الْعَقَبَةَ.

حضرت ابو الدرداء کی بیوی ام الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابو الدرداء سے کہا کہ کیا بات ہے، تم ماں و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فاق اور فداں طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گزار گھاٹی ہے، اُس کو گزرنا بار و زیادہ بوجھ و سہانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اُس گھاٹی کو عبور کرنے کیلئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

رسول اللہ کے اخیر دور حیات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہوئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے، اور طالیمن اور اہل حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور منصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور ان کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا، جس سے ان کا گزارہ آسان ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرام اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، ان ہی میں سے تنقیرت ابو امدرداء بھی تھے، وہ آخرت کے محاسب اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے اسن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے۔ رسول اللہ نے ان کو بتایا تھا کہ آخرت کی دشواری گزار گھائیوں کو وہ ہی لوگ آسانی سے عبور کر سکیں گے جو دنیا میں بیکے بیکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادیں گے، وہ آسانی سے ان گھائیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ النَّانَ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ يَكْرَهُهُ الْمَوْتُ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُهُ قِلَّةُ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقْلٌ لِلْحِسَابِ۔

۵۱ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ النَّانَ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ يَكْرَهُهُ الْمَوْتُ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُهُ قِلَّةُ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقْلٌ لِلْحِسَابِ۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا وہ چیزیں ہیں جن کو آدمی پسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کیلئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے کھبہ کرتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے۔ حالانکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، ورنہ دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت محنت حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچے ہو، تو اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

۵۲ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيرَ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مؤمن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود باعفت ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرمات و مستہبات سے اپنی حفاظت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگانِ خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے محبوب والی، جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی ان کیلئے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

پہلی بات: رسول اللہ ﷺ سے جیسا کہ اگلے باب میں مذکور ہے۔

۵۳ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ جَاعَ أَوْ اِحْتَاجَ لِمَكْتَمَةِ النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُرْزَقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ.

حضرت عبید اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھوکا ہو، یا اُس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کرے ان سے سول نہ کرے) تو اللہ عز و جل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔

اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمایا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اسکی شانِ کرمی پر دل کے پورے یقین کیساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا منہورا اپنی آنکھوں سے دیکھ سے گا۔

دوسری بات:

زہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کیلئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مثل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی امت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے، اور اس کے بہت پچھ دیں و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

تیسری بات: رسول اللہ ﷺ، اور بندوں کے محبوب بن جاوے۔

۵۴ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ دُلْنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا آتَا عَمَلْتُهُ أَحَبَّنِي اللَّهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ قَالَ إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللَّهُ وَآزْهَدْ فِي مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ.

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا:

یہ رسول اللہ ﷺ آجئے ایسا کوئی مثل بتا دے کہ جب میں اس کو کروں، تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرے، ورنہ
کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں، آپ نے فرمایا کہ دنیا کی طرف سے عرض و رب رنی اختیار
کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، ورنہ (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس لئے عرض و
بہشتی اختیار کر لو، تو وہ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی محبت اور چاہت ہی آدمی سے دوسرے کام کو مائل ہے، جن کی وجہ سے اللہ
کی محبت کے باقی نہیں رہتا، اس لئے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ دنیا کی چاہت اور رغبت اس
میں نہ رہے۔ جب دنیا کی محبت اس سے نکل جائے، تو اللہ کی محبت کے لئے فریض ہو جائے گا، ورنہ
اس کی انا عزت و رفقاہی داری اس کی اس ہونے سے ہے، کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب اور پیار ہو جائے گا۔
اس طرح جب کسی بندہ کے متعلق عام طور سے اسے یہ جان میں کہ یہ ہماری کسی چیز میں حصہ نہیں
چاہتا، نہ یہ مال کا صاحب ہے، نہ کسی عہدہ و منصب کا، تو پھر لوگوں کا اس سے محبت کرنا کو یا سانی فطرت کا
لزام ہے۔

فائدہ زہد کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس شخص کیلئے دنیا کی لذتیں و سرگرمیاں حاصل
کرنے کے مواقع ہی نہ ہوں، اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ دنیا میں پیش نہ کرتا ہو، وہ زہاد نہیں ہے، زہاد وہ
ہے جس کیلئے دنیا کے پیش و تنعم کے پورے مواقع میسر ہوں، مگر اسے باوجود اس سے اس نہ کمانے اور
مستغنی کی کسی زندگی نہ گذرے۔ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو زہاد کہہ کے پکارا، انہوں نے
فرمایا، کہ زہاد تو عمر بن عبدالعزیز تھے، کہ خلیفہ وقت ہونے کی وجہ سے دنیا و دنیاویں کے قدموں میں تھکی،
کیونکہ انہوں نے اس سے حصہ نہیں لیا۔

.....

۵۵. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ أَبِي خَلَادٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى
زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقَلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلْقَى الْحِكْمَةَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور بخاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی بندہ کو اس حال میں
دیکھو کہ اس کو زہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رغبتی (یعنی غواہ و فتنوں باقوں سے
زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو اس کے پاس اور اس کی صحبت میں رہا
کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا لقا ہوتا ہے۔

حکمت کے لقا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اس کی زبان سے
وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اس لئے اس کی صحبت کیسی اثر ہوتی ہے۔ تو سن مجید میں حکمت

کے بارے میں فرمایا یہ ہے کہ

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

اِس کو حکمت عطا کی جائے، اِس کو بیش بہا عطا کیا گیا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زائد بندوں کو عطا صلا

۲۶ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهَّدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللَّهُ

الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ وَأَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهُ وَبَصُرَهُ غَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَأَخْرَجَهُ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى

دَارِ السَّلَامِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

۲۷ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا

کی رغبت و چاہت اپنی اس سے نکال دے) اور اس کی خوش میشتی و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی و

بے رغبتی اختیار کرے) تو اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کے دل میں حکمت و دانائی عطا فرمائے گا اور اس کی زبان پر بھی

حکمت و جاری کرے گا اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آگے

سے اُٹھا دے گا اور دنیا سے اس کو بے رغبتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔

۲۸ اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اس کو حکمت عطا کی جاتی ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح

معلوم ہوئی، اس حدیث میں

أَنْبَتَ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ

اللہ اس کے دل میں حکمت اُگاتا ہے

کے بعد جو چیز فرمایا گیا ہے، وہ دنیا کی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار

کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی دنیا میں پہا تختہ صلا یہ عطا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قلوب میں

حکمت اور معرفت کا تخم اُل دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشوونما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا

رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے

عیوب و امراض کو ان کو آنکھوں سے دکھائیے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو ناس

خیرات عطا ہوتی ہے۔ اور وہ نہ ان خاص ان خاص بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان و توفیق کی عطا

کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اُٹھاتا ہے اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاہلی عالم میں یقینی و راسخ

جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

ہے کہ اس بندہ کو وہی اس فوراً شیعہ بنایا اور بیدار بنائی اس کے اس میں دین دیا ہے۔

— — — — —

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوَّلُ صَلَاحٍ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ فُسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ۔

روایت ہے عمرو بن شعیب سے، وروایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے وروایت کرتے ہیں اپنے والد امیر محمد بن عمرو بن عاص سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کی پہلی اصلاح یقین اور زہد ہے اور اس کی پہلی فساد بخل و امید ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس امت کی اصلاح و فلاح و ترقیات و بقاء اس کی استقامتیں تھیں، ایک یقین اور دوسری زہد، ورجب امت میں بشارتوں بہ ما قسب سے پتے ہیں، استقامتیں اس میں سے جائیں گی، اور ان کی خدائیں و دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو سے، اور اس کے بعد نسیوں و براہیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا وراستہ پر برقی بھی چلی جائے گی۔

شراحین کے جیسا کہ صاحب اس حدیث میں یقین سے مراد اس اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس میں جو بشارتیں کو ملتا ہے اور جو اچھی یا بری حالت کی پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے وراستہ کے فیصلے سے آتی ہے اور زہد کا مطلب جیسا کہ پتے بھی معلوم ہو چکا ہے یہ کہ دنیا سے اس نہ نکال جائے، اور اس کی زیادہ لذتوں اور راحتوں و مقصود و مقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل نہ جانے کے بعد قافیہ کے رستے میں وراستی متعبد کے سے جان و مال خرچ کرنے میں غل نہیں کرتا، یقینی صاحب یقین و زہد کے سے کسی شے متعبد کے سے وراستہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرے اور راحت میں وہ دنیا سے نہ جاتا ہے، اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی بنی ہے، ورجب مومن ان سنت سے خالی ہو جائے یقینی وہاں پر یقین کے اس کا یقین سپنا ہوا ہو جائے، وراستہ سمجھنے کے کہ امر میں میرے پاس ہو گا تو زندگی کبھی مذکر کی، وراستہ نہ ہو گا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جائوں گا، تو اس میں نہ وراستہ پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب زہد کی سنت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ خرچ کی خواہش رہا اس کے اس میں پیدا ہو جائے گی جس حدیث میں اس سے جیسا کہ کیا ہے، وراستہ کے غل وراستہ پیدا ہو جائے کے بعد مومن اپنے اسل متعبد سے کرتا ہی چہرہ ہے۔

۱) رسول اللہ ﷺ کی دعا میں کتاب ہے۔

۲) "اور ایک دعا کے الفاظ ہیں۔

۳) "ان دونوں دعاؤں میں بھی یقین کا یہی مطلب ہے۔"

رسول اللہ کے اس ارشاد کی خاص غرض دعائیت اور اس میں امت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ امت کی صحت و فلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی چوری فکر اور جدوجہد کی جائے، اور نفل اور مال (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، امت کی صحت و فلاح ہی سے وابستہ ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزُّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلَكِنَّ الزُّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدِكَ أَوْ لَوْ أَنَّكَ فِي يَدَيْ اللَّهِ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا آتَتْ أُصِيبَتْ بِهَا أَرْغَبَ فِيهَا لَوَالِهَا أُبْقِيتَ لَكَ۔

حضرت ابو ذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: دنیا کے بارے میں زہد اور ان کی طرف سے بے رغبتی (جو نفع ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس اور تمہارے ہاتھ میں ہو اس سے زیادہ اعتماد اور جہد نہ کرے، تم جو اس پر ہو جو خدا سے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور ناخوش گزاری پیش آئے تو اس کے آخری ثواب کی چاہت اور رغبت تمہارے دل میں زیادہ ہو یہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناخوشی کی بات تم کو پیش ہی نہ آتی۔

بہت سے لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرے، نہ کبھی لذت کھانا کھائے، نہ کبھی پانی پئے، نہ کبھی کپڑا پہنے، نہ کبھی کچھ نرم بستیر سوسے اور انہیں سے کچھ آجائے تو اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ وہ جہد کی سے نہیں پچھنک ہی جائے، رسول اللہ نے اس حدیث میں اسی غلط فہمی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا اصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے جاری کیا ہے، آدمی ان کو اپنے اوپر حرام کرے، اور اگر وہ پیہ پیہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد کر دے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو اس کو فانی و زہد یا یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور جہد نہ کرے، اور اس کے مقابلہ میں اللہ کے غیر فانی نہیں خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور جہد نہ کرے، اور اگر وہ معیار اور دوسری حالت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف اور مصیبت بندہ کو پہنچ جائے تو اس کے آخری اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہنچنے کی آرزو سے زیادہ ہو یعنی بھائے اس کے کہ اس کا دل اس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہنچی ہوئی، اس کے دل کا احساس یہ ہو کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، اللہ وہ

تالیف نہ پہنچنے کے مقابلے میں یہ سے تفرق اور جد جہت ہو گا۔ اور خاص ہے کہ آئی کا یہ جس حسب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس وقت اس دنیا کے مقابلے میں عیش و عشرت کی زیادہ فکر ہو۔ اور عینی زندگی حاصل و اس کا ہے۔ اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں میں دنیا میں عافیت اور راحت کے برابر تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے اور اس کی حدیثوں میں اس سے سخت ممانعت آئی ہے اور کئی روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استدعا کیا کر، (.....) اور خود آپ کا معمول وہ دستور بھی یہی تھا جس سے حضرت ابو ذرؓ مندرجہ بالا حدیث کا مقصد یہ ہو کر نہیں ہے کہ بندوں میں دنیا میں مصائب اور تکلیف کی دعا یا تمنا کرے بلکہ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ جب اللہ نے حکمت سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہنچی جائے تو پھر مؤمن ہر وقت اور زیادہ تائب و تائب نہ رہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو جزو ثوابِ ثمرت میں ملے گا ہے وہ اس کو سزا پہنچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو گا وہ ان دونوں باتوں کے فرق کو ابھی عرض کرنا چاہتا ہے۔

۱۰۰

پہلا باب: مسکینوں کے بارے میں احادیث

(۶۱) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَسْكِينًا وَ أَمِتْنِي مَسْكِينًا وَ احْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے لے لے اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ (جامع ترمذی و شعب الایمان) تفسیر اور ان کا ترجمہ ہے کہ اے اللہ میری زندگی مسکینوں کی حالت میں دے اور میری موت مسکینوں کی حالت میں دے اور میری حشر مسکینوں کے گروہ میں کر۔

جی چند نکتے پہلے یہ حدیث مذکور ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے دنیا کی دولتوں کو سونے سے بھر دیا جائے تو آپ نے عرض کیا نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیہانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن مجھے کو ہو اور ایک دن مجھے کو نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے سوچ سمجھا کر اپنے لئے فقیہانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا اور یہی آپ کی حقیقت شناس مہار کے طبیعت کا بھی میاں تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و منصب تھا اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اس کے لئے یہ فتنہ و مسکن کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور رضا و تسکین نصیب فرمائے تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطہ نظر سے بہ نسبت وہ اتمندی کے فتنہ و فتنہ کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

(۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ

— — — — —

إِلَى مُحَمَّدٍ قُوتًا وَفِي رَوَايَةٍ كَفَافًا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! محمد کے متبعین کی روزی بس بقدر کثاف ہو۔

اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی میں، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعقبن سے کیا ہے، **فانہ** اور **کاف** دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نفع چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فقر زدگی اور پریشان حالی کی وجہ سے اپنے متعنتہ کا م بھی نہ بچا دئے جا سکیں اور دستِ سوال کسی کے سامنے پھیلا نہ پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جائے۔ ان حدیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ کی پوری زندگی اسی طرح گذری ہے۔

Journal of Management Inquiry 18(6)

... ..

٢٣. عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلَ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْرِ الشَّعِيرِ يَوْمَينِ مُتَابِعَيْنِ حَتَّى لَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه البخاري ومسلم)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُؤْذِيتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَحَدٌ وَلَقَدْ آتَتْ عَلَيَّ اللَّيْلُ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ ابْنُ بِلَالٍ -

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا، سمجھایا گیا کہ کسی اور وقت نہیں ڈرایا، اور اللہ کے راستے میں مجھے اتنا تھکایا گیا کہ کسی اور وقت نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس سو رات مجھ پر سماں میں نذرے کہ میرے اور بوس کے کھانے کی کوئی بھی چیز نہ تھی، اس کو کوئی جاندار حالتِ بے ہوشی کے جو بوس نے اپنی بھل میں ہمارا حاتمہ۔

رسول اللہ نے امت و سبق لینے کے لیے آپ جتنی ساری عین کی دعوت و ارادہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں مجھے یہی سببیتوں سے نڈرنا پڑا ہے، شیعوں نے مجھے اتنا ڈرایا، سمجھایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا، سمجھایا گیا، اور سب میں نے ان کی تحکیموں کا اثر نہیں دیا، اور عین کی دعوت و اتنا ہی رہا، تو ان نلاموں نے مجھے اتنا ستایا، اور یہی ایک تھکائیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تھکائوں سے نڈرنا نہیں پڑا، اور جو کہ اور فقہ کی تالیف بھی اتنی آسانی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اس حالت میں نڈرے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اس کے کہ بوس نے اپنی بھل میں پتھر ہمارا حاتمہ، پورے مہینہ مجھے اور بوس و اسی پر نڈرنا پڑا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنِ أَخِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهَلَالِ ثَلَاثَةَ أَهْلِ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُؤَلِّدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارًا لَقُلْتُ مَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتْ الْأَسْوَدَانِ الثَّمَرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِرَانٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَاحِحُ وَكَانُوا يَمْنَحُونَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَقِينَا -

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ سے فرمایا: میرے بھائی (ابن) بیت نبوت اس طرح نڈرنا کرتے تھے کہ (بجلی بھی جاتا، تین تین پاند، میچ جیتے تھے) (یعنی حاملہ) مہینے نڈرنا جاتے تھے) (اور ثمر کے کھانے میں چوبہا روم نہ ہوتا تھا) (موت جیتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ دونوں کو کیا چیز زندہ کرتی تھی؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا: ان کے کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) (ابن رسول اللہ کے بعض انصاری پیادے تھے، ان کے ہاں وہ کھجور کے دانے اور پانی کے جانور تھے، وہ

آپ کے نئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضور کے گھر والوں پر دودھ وہیے ایسے نذر بات تھے کہ کسی قسم کا نان، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چوہا جانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یہ بھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور کے نئے دودھ آتا، تو وہ پیوں میں پہنچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَابِعَةَ طَائِرًا هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عِشَاءً وَأَلْمَا كَانَ عِشَاءً هُمْ خُبْزُ الشَّعِيرِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی بہت سے راتیں آپ بہ س حالت میں ندرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رات بٹتے، یونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (در جب حالت) تو ان کرات کا کھانا، بطور سے بس بھی رہتی ہوتی تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوَفِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرِ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرد ۳۰ صاع جو کہ ہر ایک یہودی نے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساتھی تین یہ کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جو قریب اسی من کے ہونے۔ حدیث کا مقصد اور غاش یہ ہے کہ حضور کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے اندر وہ حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرد رہن رکھ کر آپ نے صرف ۳۰ صاع ہدف سے چھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جاسکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مستحیث ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم

کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعے آپ کی خدمت کرنا چاہتے اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس سورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی صلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غائبانہ سرق بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس شبہ اور شبابہ سے جتنی پہنچا پتہ تھے، کہ آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دوست ملی، اس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ ان سے اٹھائیں، اس لئے مجبوری و ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسموں سے رکھتے میں ان کی آمد و رفت و رفت و آمد سے جننے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کاروائی سے کھلتا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانیں اور ایمان اور رخصت انہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ دیاب ہوں۔ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی

یہودی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضہ کیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اس لئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اس نے کہا کہ میں تو سے بغیر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی، اور حضور نے اس دورن میں اس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں دافہائیں، اور وہ نہیں ٹلا، بخش ہی رہا، اس کی یہ حرمت بہت ناگوار ہوئی اور انہوں نے چپکے چپکے اس کو ڈر یا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے بتاؤ کہ یہ حکم ہے کہ کسی معاہدہ پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سن کر ان صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اس یہودی نے کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ چاہتا تھا کہ وہ اوصاف و صفات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانے میں آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں، اس کے بعد اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی ساری دولت حضور کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا

یہ میرا سارا مال ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔

۶۹ عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالٍ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَلَزَّ الرِّمَالَ بِجَنْبِهِ مُتَّكِئًا عَلَى رِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشَوْهَا لَيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ فَلْيُؤَمِّعْ عَلَى أَمْنِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَقَالَ أَوْلَىٰ هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ أُولَٰئِكَ قَوْمٌ عَجَلَتْ لَهُمْ طَبِيبَاتُهُمْ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي رَوَايَةِ أَمَّا رَضِيَ أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں، اور اس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں اور سر باندھنے چڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی پھل کوٹ کے بھری ہوئی ہے یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا اب ابن خطاب آیا تم بھی اس حال میں و اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اس لئے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں حضور کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور ہمارے لئے آخرت کا عیش۔

رسول اللہ کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرمادیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں اور چونکہ حضور کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت و دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اس لئے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی امت کو یوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ نے ان کی اس گزارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ میں نے فرزند خطاب کیا تم بھی ابھی حقیقت شناسی کے اس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو اور موقوفہ ہو یہ تو میں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان کے چاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں ان کے عیش و آرام اور ان کی دولت مندی کو دیکھ کر اس پر لپچنا اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فقر و غلبہ اس آخرت کی ہوئی چاہئے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرانے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور یہاں کا عیش و آرام۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَلْزَمَ فِي

نَحْوِ ثَلَاثِينَ يَوْمًا

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَلْزَمَ فِي

جَسَدِهِ لَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ لِقَالَ مَالِي وَ لِلدُّنْيَا وَمَا أَنَا وَالِدُنْيَا إِلَّا كَرَائِبٍ اسْتَظَلْتُ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اٹھے، تو جسم مبارک میں اس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر ورس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ اگر حضورؐ فرما میں تو ہم حضرت کے لئے بستر کا تکیہ مگریں اور پتھر بنا میں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہی)۔ ارشاد فرمایا مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) یہ تعلق "رأیٰ بینا میہ" تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے جیسا کہ کوئی سو رہا سفر چھوڑ کر سایہ درخت کے نیچے ٹھہرا اور پھر اس کو اپنی جگہ چھوڑ کر منزل کی طرف چل دیا۔

رسول اللہ کے جو بڑے اعمال یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا نہ دینی نہیں سمجھتا، ورنہ منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، اس یہی میرا حال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح متکشف ہو جائے تو اس کا حال اس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اور اس کے لئے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا نصف کرنا ایسا ہی کارہماقت معصوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذراست وقت میں بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دوست کی مذمت اور فتنہ و زہد کی فضیلت میں رُزر چکی ہیں، اگرچہ ان کی تشریح میں جا ہی اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دوست صرف وہی خدا ناک ہے جو خدا سے غفلت و آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے۔ لیکن امرایانہ و بولہ بندہ اللہ کی قویقت سے دوست کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا و رحمت کے قریب ایک دولت خدا کی بڑی نعمت ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ قَالَ كُنَّا فِي مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى رَأْسِهِ الرُّمَاءُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَرَأَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ أَجَلُ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنْ اتَّقَى اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّحَّةُ لِمَنْ اتَّقَى خَيْرٌ مِنَ الْغِنَى وَطَيِّبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيمِ۔

رسول اللہ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت

بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے، اور آپ کے ہر مبارک پر اس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے بھی نفس فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت چھا اور اس بہت خوش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دوست مندی اور دنیوی خوشامی کا پتہ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ بھی چیز ہے یا بری و دین و آخرت کیلئے مضر ہے یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اسکے احکام کی پابندی کرے) اس کے لئے مہداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لئے دوست مندی سے بھی بہتر ہے، ورنہ خوشی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوست مندی اور مالدار کی آخر تقویٰ کے ساتھ ہو، یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس میں دین کے لئے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ تر توفیق دے تو اس صورت میں یہی ماں و دوست دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں کا اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ اُنکے اس مال و دولت ہی کا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ نے ایسے ہی موقعوں پر اُنکے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ دوست مندی ایسا تہہ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکر آخرت اور اتباع شریعت کی توفیق مہربانی و انوں کو ملتی ہے، ورنہ دوست کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔

چوں بدوست بری مست نگر دی مر دی

عَنْ سَعْدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ -

حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس متقی دوست مند بندہ سے جو (تقویٰ اور دوست مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔

ہونے کا مطلب بھلا یہی ہے کہ لوگ اس کی اس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دوست مند اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ تقویٰ میں بھی اس بندہ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اسْتَعْفَا

عَنِ الْمَسْئِلَةِ وَ سَعْيًا عَلَىٰ أَهْلِهِ وَ تَعَطُّفًا عَلَىٰ جَارِهِ لَقِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ وَجْهَهُ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَذْرِ وَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُّكَاثِرًا مُّفَاجِرًا مُّرَائِيًا لَقِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضَبًا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان و ابویوسف فی الحبۃ)

حضرت ابویوسف عریضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال سے مقصد سے حاصل کرنا چاہے، تاکہ اس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی و آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ حسن اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہو گا، کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہو گا۔ اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے، اور اس دولت مند کی وجہ سے دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونکی اونچا کرے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بڑا بیجا وادائش کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہو گا۔

معلوم ہوا کہ نتیجی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حاصل ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن یہ شخص باب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گا، تو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص افاض فضل و برکت ہو گا، جس کے نتیجہ میں اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہو گا۔ لیکن اگر دولت حاصل کرنے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے سامنے بڑے بڑے نام کرنا ہو، تو یہ دولت کمنا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا ثواب ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو گا، اور اگر ناجائز طریقوں سے ثواب تو سخت ترین وبال ہے۔

عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَلَّتْ أَقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحْدِثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ فَأَمَّا الَّذِي أَقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَإِنَّهُ مَا نَقَصَ مَالٌ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظَلَمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهَا بَابَ فَقْرٍ وَأَمَّا الَّذِي أُحْدِثُكُمْ فَاحْفَظُوهُ فَقَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لَا رُبْعَ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَ عِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَ يَصِلُ رَحْمَهُ وَ يَعْمَلُ لِلَّهِ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهَذَا بِالْفَضْلِ الْمَنَازِلِ وَ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النَّبِيِّ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِي مَالِهِ لِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحْمَهُ وَلَا يَعْمَلُ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهَذَا بِاخْتِصَابِ الْمَنَازِلِ وَ عَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ نَيْتُهُ وَ وَرَزْرُهُمَا سَوَاءٌ۔

بہشت انہار کی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں قسم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، پس قسم کو یاد کرو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں، ان میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کا ماں صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے بھی مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدائی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانہ غیب سے اس کو دیتا رہے گا) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بڑھاوے گا اس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اس کو ستایا جائے، اور وہ بندہ صبر کرے، تو اللہ تعالیٰ کے عوض اس کی عزت و رفعت دنیا میں بھی بڑھاوے گا)۔ اور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھوے گا کوئی بندہ سواں کا دروازہ، مگر اللہ حول دے گا اس پر فترہ کا روزہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے ہاتھ پیدائے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقتدر ہے کہ فترہ و محتاجی اس پر مسلط ہوگی، گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اعلیٰ فیصلے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں ان پر قسم کھاتا ہوں۔) (اسکے بعد آپ نے فرمایا) اور جو بات میں ان کے علاوہ قسم سے بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں) ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے اور صحیح طریق زندگی کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں، اور اسکے ذریعہ صدقہ رحمی (یعنی اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سلوک و ران کی ہمدردی) کرتے ہیں، اور اس میں جو عمل اور تہ فہ کرنا چاہئے اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (دوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم (اور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن ان وہاں نہیں دیا، پس انکی نیت صحیح و پرہیز ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاح (نیکی بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی، دوسری قسم کے آدمیوں کو حسن نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا)۔ اور (تیسری قسم) وہ وہ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا، اور اسکے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ نادانی کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط روایں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ سدائری نہیں کرتے، اور جس طرح اس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اس طرح نہیں کرتے۔ پس یہ وہ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا، پس ان کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاح (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم

بھی حیاتی اور فاضل خرپتی کریں) پس یہی ان کی نیت ہے اور ان دونوں برائیوں کا نہ پرہیز (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو کئی بڑی نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہو گا جو تیسری قسم کے لوگوں کے لیے گناہ نہیں ہوتا۔)

حدیث کے نفس، مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ روای کی ہے، اب اس پر بات تھوڑی رہنی چاہئے کہ برے فعل کی جس نیت پر مرفت ہے، اور جو ویسا برے فعل کی نیت ہے، وہ عزم و وجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق اور اپنی طرف سے اس کے کرنا کرنے کا حکم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے چھوڑ نہ سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اس وجہ کی ہوگی تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی، اور بندہ اس پر مڑا کا مستحق ہوگا۔

— — — — —

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلَى مَعْصِيَةٍ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِزْجَارٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ۔ (رواه احمد)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اس کی معصیت کوئی اور نافرمانی کے باوجود دینی دنیاوی نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہے، جتنا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھو کہ وہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (بطور استنباط کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

ترجمہ یہ ہے کہ جب نبیوں نے جو دیناں باقوں و دنیاوی انعامات کی تھیں تو ہم نے انہیں ان پر دنیاوی سب نعمتوں کے دروازے دیے تاکہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے، اور ترے، تو ہم نے عید ماموں اپنی سخت پکڑ میں سے یہاں وہ جہنم و ششدر اور آندھیلے باطل نامید ہو کر رہ گئے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم و ربائی بندہ دنیاوی معصیت کوئی اور مہموشی میں مد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے باطل ہے، اور بے فکر ہو کر زندگی گزارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہو کر بھی یہی کرتا ہے کہ اس کی رسی اور دروازہ کر دی جاتی ہے، اور پچھلے مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور مہموشی کے ساتھ اس خدا و مہموشی اور مہموشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے۔ دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو کہا جاتا ہے۔ پس

مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گزار رہے ہیں، اور اسے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر اندیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رسی دراز کر رہا ہے، اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

بَابُ فِي رَدِّ الشُّكِّ وَالْإِيمَانِ

۷۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغِبُنْ لَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ إِنَّ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ قَاتِلًا لَا يَمُوتُ يَغْنَى النَّارَ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کسی بدکار (کافریا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اُس پر کیا کیا تشبیہیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اُس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبد اللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کا مطلب اس قاتل سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بے چارہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا قاتلی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔

بہا و اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکو کار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھٹھہ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے، تو شیطان اسکے دل میں طرہ طرہ کے وسوسے ڈالتا ہے، ورنہ یہ کم یہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بد اعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوائی زندگی میں عذابِ نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئے، ان بے چاروں، کم بختی کے، روں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو چٹا پڑنے والی ہے، اُس کو معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ بچہ کی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سبوتاہیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اُس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتیٰ الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے ان حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوشحالی

اور خوش پیشی کی نوعیت باتل ہی ہے اس لئے کہ دوسری باتوں میں سر تک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اسے ہم کو یہاں حسیب فرما کر بنی آدم کے اس دور کے انجام سے بچا دیا ہے۔

اس عاجزانے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فرمادہ پیشی میں وہ چاہے کب تک یہ باتیں نہ کہیں، وہ ان کے دل سے نہیں نکلتیں۔ یہ وہاں جاری ہو جاتی ہے جو وہاں سے نہ نکلتی ہو، یہ وہاں سے نہ نکلتی ہو۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَغَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفَضُّلاً

میری حمد و ستائش اس اللہ کیلئے ہے، جس نے مجھے اس مسیبت سے محفوظ رکھا جس سے بڑے بڑے لوگ برباد ہو جاتے ہیں۔ اور اس نے مجھے اپنی رحمت و شفقت سے بڑے بڑے لوگوں سے بڑا کر دیا۔

عن سهل بن سعد قال مر رجل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لرجل عنده

جالس مراً بك في هذا؟ فقال رجل من أشرف الناس هذا والله خري إن خطب أن ينكح وإن شفع أن يشفع، قال فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم مر رجل فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ما رأيك في هذا؟ فقال يا رسول الله هذا رجل من لقراء المسلمين، هذا خري إن خطب أن لا ينكح وإن شفع أن لا يشفع وإن قال أن لا يسمع لقوله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا خير من ملأ الأرض مثل هذا.

(رواه البخاري ومسلم)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے تھا) نے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت بیٹھا ہے کہ وہ آپ کے پاس سے گزرتا ہے تو آپ نے یہ دعا کہتے ہوئے آپ کے پاس سے گزرتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری بیاریاں اور یہ اندازہ ہے کہ انہوں نے اس شخص پر یہ باتیں بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے کہیں یہ باتیں کہیں کہ اس شخص نے اپنے آپ کو نکاح کا پیغام دیا ہے، اور نکاح کر لیا ہے، اور اس کی معاش میں غنا ہے، اس کی سفارش نہ رہانی ہے۔ سہل بن سعد کہتے ہیں کہ یہ جواب ان برسوں میں کہ انہوں نے کہا کہ اس شخص نے چہرہ نہیں فرمایا۔ یہ تو بھاری بات ہے کہ بعد میں اس کا بندہ بڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ سے پھر پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا ہے اور یہ اندازہ ہے کہ انہوں نے اس شخص پر یہ باتیں کہیں چاہیں اور وہ مسکین مسلمانوں میں سے ہے یہ ایسا ہے کہ انہیں ہاں بھیج دے، تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا ہے، اور اس کی معاش میں سفارش نہ رہانی ہے، اور کوئی بات کہنا چاہے تو اس کی بات بھی نہ کہی جائے۔ (نہایت جواب سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے

والے اُس آدمی کے مثل اُسر زمین جہاں ہوں تو یہ یابِ آفتاب و مسکین ان سے بہتر ہے۔

انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو اصل بڑائی، اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں، اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں، اور اللہ کے جو بندے اس سے خد ہوں (گرچہ ان کے پاس ایمان اور حسنِ عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہل دنیا ان کو حق سمجھتے ہیں، یہ حدیث دراصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے طبع کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس جو صاحبِ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپؐ اس گفتگو میں محظوب رہے) ان میں بھی اس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپؐ نے ان کی صلابت سینے کی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شرعین نے یہ بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گزرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گزرے وہ دنیا کی دولت و بہت میں برتر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحبِ گزرے، وہ دنیا کے لحاظ سے تو متہ تھے، مگر دین و تحقیقِ باہد میں برتر اور ہند تر۔ اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ پہلے جیسے اراکینِ شیعہ تھے وہ دنیا میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے تو بھی بعد میں گزرنے والا اللہ کا غریب، مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے۔ اللہ ابراہیم اور اسحاق باہد کی عظمت و رفعت کا کیا سہکانا۔

۷۸. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبُّ أَشْعَثِ أَغْبَرَ مَذْلُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بہت سے پرانند و بالوں والے گردہ خنبر میں آئے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں تو ان کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔

اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو میاں پھیلا، خستہ حال، اور پرانند و بالوں والے گردہ خنبر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں، جو اللہ اپنے اپنے کو منکر اس کے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبویت کا وہ مقام حاصل کریتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ایسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منش پرانند و بالوں والے گردہ خنبر اور میاں پھیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہؐ عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپؐ نے اس حال میں دیکھا کہ اس بارہ میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے تو آپؐ نے ان کو اپنی اس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اسکی وجہ سے اسکے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اسکو چاہئے کہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے جو ان چیزوں میں اس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو)۔

انسان کی یہ یک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور ان کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصَلَتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيهِ كُتْبَةُ اللَّهِ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ لَوْ لَهُ لَأَقْتَدَى بِهِ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ لَحَمِدَ اللَّهُ عَلَى مَا فَضَّلَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ كُتْبَةُ اللَّهِ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ لَوْ لَهُ لَأَسِيفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكُتْبَهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا۔ (رواہ الترمذی)

عمر و بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور ان کی پیروی اختیار کرے، اور دنیا کے معاملے میں ان غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ان بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا۔ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں، ان کے نہ مٹنے پر افسوس اور رنج کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔

شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو اس کو گویا ایمان کا مکمل نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھر پور مل گئی۔ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنالے کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے ان تجھے

ہندوں پر نظر رہا کرے جن کا مقصد دین میں (یعنی ایمان و اعمال اور اخلاص میں) اپنے سے بلند تر ہو اور ان کی چیزوں کی آبرورہی، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے ان خستہ حال و رہنما کے مصائب ہندوں پر نظر رکھے جو دنیاوی لحاظ سے اپنے سے کم تر و پست تر ہوں، اور ان کے مقابلے میں دنیاوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکو دی گئی ہے اسکو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اس محسن و مہربان کا شکر ادا کرتا رہے۔

— — — — —

۸۲ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ قَالَ أَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ۔

یہ بڑے روایت ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہیگا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر طویل ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے۔ پھر اسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ بر (اور آخرت میں زیادہ خسران میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس کی عمر بھی ہوئی اور عمل اس کے برے رہے۔

خاص ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمال صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اُسکو ملے گی اسی قدر سب دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس جسے اعمال و خلاق مدت سے دور کرنے والے ہو گئے سب عمر جتنی زیادہ ہوگی، اسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رخصت سے دور تر ہوتا چلا جائیگا۔

۸۳ عَنْ عَبْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتَ الْآخَرُ بَعْدَهُ بِجُمُعَةٍ أَوْ نَحْوِهَا فَصَلُّوا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ؟ قَالُوا دَعَوْنَا اللَّهَ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَيَرْحَمَهُ وَيُلْحِقَهُ بِصَاحِبِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ صَلَاتَهُ وَعَمَلَهُ بَعْدَ عَمَلِهِ أَوْ قَالَ صِيَامُهُ بَعْدَ صِيَامِهِ لَمَّا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ (رواه ابو داؤد والسنانی)

عبید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے دو شخصوں کے درمیان مومنات قمر فرمائی (یعنی اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باجمہ بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہو گئے) پھر ایک ہی سنت بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی قتل ہو گیا (یعنی ان کا قتل کی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو سب نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو گئے اللہ کے

عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی مُذَرّہ میں سے تین آدمی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام لے (اور حضور کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحیحہ کرامت سے) فرمایا کہ ان نو مسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اس لشکر میں چلے گئے، وہاں شہید ہو گئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے، وہ بھی جا کر شہید ہو گئے، پھر (بچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے ان کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔ (حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں ان تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے، وہ سب سے آگے ہیں، اور اُن کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور ان کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے، اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خجّان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بند ہو گا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خجّان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے نکلے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر درزے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر)، اور تہلیل (لا الہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں ان جذباتی اور باتوں لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان ان کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمال خیر کے ذریعہ اسی سے اپنی دینی ترقیوں کا جو موقعہ اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی وراوئی درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ بعض اوقات تو ان خیر کو طعن کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

حسن خلق اور تقویٰ

۸۵ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتَّبِعِ السَّبِيلَ

الْحَسَنَةَ تَمَحُّهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقِي حَسَنٍ۔ (رواہ احمد والترمذی والداؤمی)

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے: بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے ہٹی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

تقویٰ کی اصل خدا کا خوف اور اس کے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ یک باطنی کیفیت ہے اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیت اور معصی سے بچا جائے۔ لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کر دے گا، اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے

۔۔۔۔۔ (نیکیاں برائی کو ختم کر دیتی ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابو ذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حسن اخلاق کا ہو۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکاثیفِ حسنت کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاءِ الہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

۸۶ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِي وَأَوْجِزْ لِقَالَ إِذَا كُنْتُ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُؤَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْلَزُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعْ الْإِيَّاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو اوداں کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہئے) تم ہر نماز ویسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ (ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے) (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جس کی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے اور

تیسری بات یہ یاد رکھو کہ (تیسری سیاس اور ان کے ساتھ میں جو پتہ نظر آتا ہے اس سے اپنے واقعوں میں گمراہ (یعنی تیسری میدان اور قہر کا نام) صرف ربا ہی میں ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی میدانوں کا بل منتقل ہو۔)

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَكُمْ مُنْجِيَاتٌ وَلَكُمْ مُهْلِكَاتٌ فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسُّخْطِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوَى مَتَّبِعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

آخرت ہو، یہ رہنمائی کے لئے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا تین چیزیں ہیں جو نجات دہنہ ہیں، اور تین چیزیں ہیں جو ہلاک دہنہ ہیں، ایسا ہی ہیں، جس نجات دہنہ تین چیزیں قیہ ہیں، ایک خدا کا خوف، نعمت میں، اور جہت میں (یعنی سچ میں اور باطن میں) اور دوسرے حق بات کہنا، خوشی میں اور غم میں، اور تیسرے میدان روی خوشی میں اور تنہا ہی میں۔ اور چارے ہلاک دہنہ چیزیں یہ ہیں کہ وہ خوشی اس کی پیروی میں ہے، اور شہ مطاع، اور اعجاب اس کی اس نعمت میں ہے (یعنی اس کے تمامت پر چاہا ہے) اور سچائی کی خودی کی حالت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔

رسول اللہ کی تین خاصین مجلسوں اور حق تعالیٰ کے خاص حالت کے حالات اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے مجلس اوقات اپنے ارشاد میں مجلس خاص اعلیٰ صاف اور اخلاق حسنہ کی نعمت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے اور ان میں مجلس خاص خاص برے اعمال و خلاق کی قہر و شہمت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلوم و مرہبی جاہل رہتی، اور کبھی چاہتے)۔ یہ حدیث بھی اس کی نوعیت کی ہے اور حضور کے اس ارشاد کا اسل صرف یہ ہے کہ اس مجلس خاص کی فکر نہ ہو کہ وہ حالت سے نپٹے اور نجات حاصل کرے، اسے چاہئے کہ ان چند مجلسوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، اور باطن اور خلوت وجہت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اس کا شعار رہے، اور خواہ اس کی رضا مندی ہو یا نہ ہو، ہمیشہ حق و انصاف کی بات ہے، اور وہ خوشی و تنہا ہی، دونوں حالتوں میں میاند روی برتے۔ اور اپنی نفسانی خواہش اور نفس کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خواہ پابندی کی نہایت مبہم یہ رہی سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔ آپ نے خود پابندی و سب سے زیادہ شدید غائبوں کے فریاد اس مجلس میں جتنا ہونے والا ہوئی، اپنے و کبھی یہاں نہیں سمجھتا، بلکہ اُڑ رہی اور نصیحت کرے اور سمجھنے کی قوت کی و غلطی پر سمجھتا ہے۔ اور با شہہ وہ مجلس بڑا سخت و رعبان ہے، جس و مرہش مجلس میں نہ جئے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا لَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ أَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيثٍ وَحُسْنُ خَلِيقَةٍ وَعِفَّةٌ لِي

طُعْمَةُ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اور چار شخصیاتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو چہ دنیا (اور ساری نعمتوں) کے فوت ہو جائے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھٹا نہیں امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسن خلاق اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔

آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس خاتم ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو، یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پر رضی و یا نہ رضی کے ساتھ اُترتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، و حسن خلاق کی حالت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی وہ محتاط اور پرہیزگار ہو، یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اراقی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، اگر شخص جس شخص کو یہ چار شخصیاتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی پابندی ہے اور آخرت کی بھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہب حسب اور ب شمار نعمتیں ہیں جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی پس ایسا شخص اگر دنیا کی باتیں نہ کرے تو اسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملے وہ اب دنیا اور اسی ساری نعمتیں اور بہاریں اس کے سامنے بنتی ہیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَخْلَصَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيمًا وَلِسَانَهُ صَادِقًا وَنَفْسَهُ مُطْمَئِنَّةً وَخَلِيقَتَهُ مُسْتَقِيمَةً وَجَعَلَ أُذُنَهُ سَمِيعَةً وَعَيْنَهُ نَاطِرَةً فَأَمَّا الْأُذُنُ فَكَمِيعٌ وَأَمَّا الْعَيْنُ فَمُقَرَّةٌ لِمَا يُوعَى الْقَلْبُ وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهُ وَاعِيًا۔ (رواه احمد والبيهقي في شعب الایمان)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص کامیاب اور ہامراؤ ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اس کے قلب و دین و سلم بنادیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا خدش کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، و حسد، کینہ جیسے باتیں اس سے بھی اس کے دل و پاک کر کے سلیم بنادیا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اس کے نفس کو اطمینان دلا فرمایا (یعنی اس کے نفس کو یہ یاد دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرنیت سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اس کے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنادیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی

نشانیوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس کان تو مشل قیف کے ہے (کہ باتیں اس کے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہنچانے والی اور ٹھہرانے والی ہے ان چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے، اور ہا مرد اور کامیاب ہو اوو شخص جس کے دل کو بنا دیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔

حدیث کے آخری حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے جس کے ترجمہ پر امتیاز کے لئے خط لگا دیا گیا ہے اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی ہمیت ظہر کرنا مقصود ہے کہ دل جو انسانی اعضا، میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو چیزیں پہنچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اس کے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بین بنا دے۔ اور سب سے آخر میں فرمایا کہ ”فلاح یاب اور ہا مرد ہو اوو انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنا دیا“۔ مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہنچنے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہنچیں ان سے بھی منزل سعادت تک جب ہی پہنچا جاسکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اس لئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جا بجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دار و مدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعْطُهُ إِغْنِيمَ خَنَسًا قَبْلَ خَمْسِ شَهَابِكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَقَرَاغِكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

۱۰۰ متر صدی

عمرو بن ميمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہئے وہ اٹھ لو۔ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگ دستی سے پہلے اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اس لئے اُس کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے تو اس کو غنیمت ور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اور اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہو اُس وقت کر لے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کر سکنے کے قابل رہے گا یا نہیں۔ اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو

بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے، اگر خوش حال اور مالی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کر لے، اور اگر پیچھے فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغوریت اور پریشان حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کر لے اور کام لے لے اور زندگی کے بعد بہر حال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کر دینے والی ہے اور اس کے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، اس لئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خداداد فرصت سمجھئے، اور اس سے فائدہ اٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

۹۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ إِلَّا غِنًى مُطْفِئًا أَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدُّجَالَ وَالدُّجَالَ هَرُ غَائِبٌ يَنْتَظَرُ أَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، تم عمل کیسے انتظار کرتے ہو اس خوشحالی اور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کر دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اس ناداری اور محتاجی کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو حیات بکاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھود دینے والے بڑھاپے کا یا اپنی تک آنے والی اور فنا کر دینے والی موت کا یا تم منتظر ہو دجال کے۔ اور دجال بدترین غائب ہے جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اور قیامت بڑا سخت حادثہ اور بڑا مڑوا گھونٹ ہے۔

۹۲ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اور فراخ کو غنیمت نہیں سمجھتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور رضاء الہی اور فلاح آخری کے لئے عملی جدوجہد سے غافل رہ کر تن آسانی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں، گویا وہ اسکے منتظر ہیں کہ مذکورہ بالا باتوں اور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اور اُس وقت آخرت کی فکر اور تیاری کریں گے۔

۹۲ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُولُ قُلُوبُ بَنِي آدَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُسْتَأْذَنَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ لِيَمَّا أَفْنَاهُ وَعَنْ حَبَابِهِ لِيَمَّا أَهْلَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَلِيَمَّا أَلْفَقَهُ وَمَا ذَا عَمِلَ لِيَمَّا عَلِمَ۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے وہ رسول اللہ سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن (جب حساب کیلئے بارگاہ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔ ایک اس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا۔ اور دوسرا خصوصیت سے اس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پھانسیا، اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن

راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہو گا کہ جو پتہ معلوم تھا اس کے بارے میں کیا عمل کیا؟

۱۔ ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمدہ خرچ، اور اپنے علم، عمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے اور ذرا سوچے کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کر کے جب مجھ سے نہ محشر یہ سوالات سے چائیں گے تو میرا حال اور انجام کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے مہر سے آسمان فرماتے ہیں امتحانِ اپنی نوعیت کے حادثات یقیناً بڑا سخت ہے، اور سرفہرہ ہی خوش نصیب بندے اس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اس کھڑکی کے آگے اور اس امتحان کا وہ میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں تیاری کر میں، اور زندگی اس طرح گذاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اور نہ خوار ہو سکیں۔

عَنْ أَبِي جُرَيْجٍ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَرَأَيْتُ رَجُلًا يَصْطُرُ النَّاسَ عَنْ رَأْيِهِ لَا يَقُولُ شَيْئًا إِلَّا صَدَرُوا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هَذَا؟ قَالُوا هَذَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ السَّلَامُ نَجِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ قُلْتُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ؟ فَقَالَ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي إِنْ أَصَابَكَ ضَرْفٌ فَدَعْوَتُهُ كَشَفَهُ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامٌ سَنَةٍ فَدَعْوَتُهُ أَنْتَبَهَا لَكَ وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ فَفِرْ أَوْ فَلَاقِ فَصَلِّ رَاجِلُكَ فَدَعْوَتُهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ إِعْهَدْ إِلَيَّ قَالَ لَا تَسُبُّ أَحَدًا قَالَ لِمَا سَبَبْتَ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تُحَقِّرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ إِنْ ذَاكَ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى يَصْفِ السَّاقِ فَإِنَّ آيَةَ الْكَافِرِينَ وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ وَإِنْ امْرَأَةٌ شَتَمَكَ وَعَبْرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فَبِكَ فَلَا تُعِيرَهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ فَإِنَّمَا وَبَالَ ذَاكَ عَلَيْهِ۔

جو جریر بن سلیم نے روایت ہے کہ میں مدینہ پہنچا (اور میں رسول اللہ کے بارے میں اس وقت پتہ نہ تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس کے پاس جا کر بے بنیاد باتیں کرتے ہیں اور وہ ان کو جو پتہ بتا دیتا ہے اس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو پتہ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ اس کی دل و جان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ وہ کون نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ میں نے وہ دفعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ جو یہ مردوں کا سودا ہے۔ (یعنی اہل جاہلیت اس طرح مردوں کو سودا کیا کرتے تھے، بچے اس کے) یہ وہی ہے جس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں! میں رسول ہوں اس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ ہر شخص کوئی دیکھ اور تالیف ہو، اور تم اس سے دعا کرو تو وہ تمہارے لئے وہ مردے، اور ہر تمہارے قریبیوں کی مصیبت آجائے اور تم اس سے دعا کرو تو تمہارے لئے وہ زمین سے پیدا ہو اور پیدا کر دے، اور جب تم کسی

جنگل بیابان میں ورلق ووق میدان میں ہو، اور تمہاری سواری کا ہانہ رہاں گم ہو جائے، اور تم اس سے دعا کرو، تو وہ تمہاری سواری کے اس جانور کو تمہارے پاس پہنچا دے۔ (حدیث کے راوی جابر بن سمیرہ کہتے ہیں، کہ) میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے پتہ نہیحت اور وحیت فرمائیے! آپ نے ارشاد فرمایا (تمہیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم بھی کسی کو جان نہ دینا، جابر بن سمیرہ کہتے ہیں اس کے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، اور نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو نہ اہل بیت کی جیسے کسی جانور کو (کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضور ﷺ نے نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی حسان و قمر تھینے نہ کہو، اور تم اپنے بھائی سے شکستہ رونی کے ساتھ بات نہ کرو، یہ بھی ایک طعنہ حسان و قمر سے ہے، اور پناہ تہبند آدمی ہندیوں تک اونچی رکھو، اگر اتنا اونچی رکھنا منظور نہ ہو تو مہرے مہرے تک اونچی رکھو، اور تہبند کو زیادہ نیچے ٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تمہاری بات ہے، اور اہل حق و تہبند نہیں ہے، اور اگر رونی تمہیں گالی دے اور تمہاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کرے تو مہرے مہرے کہو، تمہارے بارے میں جانتا ہو تو تم ایسا نہ کرو، اس صورت میں اسکی اس سواری زبان و زبانی کا پورا وبال اُسی پر ہو گا۔

۹۴ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذْ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ لَيَعْمَلَنَّ بِهِنَّ أَوْ يَعْلَمَنَّ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ فَلْتُ آتَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَقَدْ خَمْسًا فَقَالَ اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ عَبْدَ النَّاسِ وَأَرْضُ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَأَحْسِنُ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الصِّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الصِّحْكَ تُبْئِثُ الْقَلْبَ۔ (رواه احمد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا، کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، چہ وہ خون پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جاننا ہوں۔ تو آپ نے (زر او شفقت) میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا، اور آٹھ کمرے پانچ باتیں بتائیں۔ فرمایا جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچو، اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو، اور تمہارے یہاں، تو تم بہت بڑے عبادت گزار ہو، (اور یہ عبادت نفسی عبادت کی کثرت سے افضل ہے)۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر یہاں کرے تو تم بڑے بے نیاز اور دوست مند ہو جاؤ گے۔ اور تیسری بات یہ کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر یہاں کرے، تو تم مؤمن کامل ہو جاؤ گے۔ اور چوتھی بات یہ کہ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلمان اور چارے مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور پانچویں بات یہ ہے کہ زیادہ مت ہنس کر، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ مروتیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کیلئے، اور

اسکے دوس کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پہلے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت پہنچنے والی باتیں بتاؤں اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون ان کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اسوان باقوں کا یہ حق ادا کرنا ہو گا کہ وہ خود ان پر عمل کرنے اور دوسروں کو بھی بتلانے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھنے اس پر واجب ہیں ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرنے اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہنچائے اور بتلانے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔

پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ: بڑا عبادت گزار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ نیک نمازیں نہ پڑھتا ہو، نفل روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ: اللہ کی طرف سے جو مقصود اور مقدر ہے اس پر رضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا اطمینان و رنجش ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کامل ایمان کی شرط ہے۔

چوتھی بات یہ کہ کام مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ و رہی خواہ ہو، کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے۔

پانچویں بات یہ کہ زیادہ نہ ہنسا جائے، کیونکہ یہ عادت دوسروں کو مراد اور بے حس کر دیتی ہے۔

اللہ کی توفیق سے اس کا کوئی بندہ آج بھی ان پانچ باتوں پر کار بند ہو جائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزہ چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، وہ رقیب کے قرب سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی جو نعمتیں اس کو دیں گے ان کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو بس وہیں جائز معلوم ہوگی۔

۹۵. عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَمَرَنِي خَلِيلِي بِسَبْعٍ، أَمَرَنِي بِحُبِّ الْمَسَاكِينِ وَاللُّتُوْمِنَهُمْ وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ دُونِي وَلَا أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ لَوْفِي وَأَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَذْبَرَتْ وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَدًا شَيْئًا وَأَمَرَنِي أَنْ أَقُولَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّا يَمُ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَكْثِرَ مِنْ قَوْلٍ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزِ تَحْتَ الْعَرْشِ - (رواہ احمد)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست () نے سات باتوں کا اس طور سے حکم فرمایا ہے۔ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے۔ مساکین و غریبوں سے محبت رکھنے کا اور ان سے قریب رہنے کا۔ اور آپ نے حکم فرمایا ہے کہ دنیا میں ان لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ

سے نیچے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور ان پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے) اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندہ میں صبر، شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابو ذر فرماتے ہیں، کہ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اہل قربت کے ساتھ صدر رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی ان کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی کامی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے بندہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اسکے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیے ٹروئی ہو (اور ان کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں بُری لگے)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے بُرا کہیں لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو، اور کسی کے برا بھلا کہنے کی مطلق پروا نہ کروں)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں کلمہ "لا اِلهَ اِلاَّ اللہُ" کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب باتیں اس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اس خزانے کے قیمتی جواہرات ہیں جو عرش الہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔

حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ کلمہ "لا اِلهَ اِلاَّ اللہُ" جسکی کثرت کی اس حدیث میں تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ "گناہوں سے بچاؤ، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے" یعنی اللہ کا فضل اور اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال کر سکتا ہے، پس بندے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیت سے بچتا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اس کے دھیان اور استحضار کے ساتھ کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کیسے اکیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے، مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذیہ طائیفہ و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی زیدہ تلقین کرتے ہیں۔

۹۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي رَبِّي بِتَسْبِيحِ خَشْيَةِ اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرَّضَا، وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَا، وَأَنْ أَصِلَ مَنْ لَطَعَنِي وَأَعْطَى مَنْ حَرَمَنِي وَأَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَنِي وَأَنْ يَكُونَ صَمْتِي لِكُرٍّ وَنُطْقِي ذِكْرًا وَنَظْرِي عِبْرَةً وَأَمْرًا بِالْعُرْفِ وَلَيْلٍ بِالْمَعْرُوفِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے پروردگار نے ان نو (۱۰) باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ ایک اللہ سے ڈرنا، خلوت میں درجہوت میں۔ اور عدل و انصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اس پر غصہ ہو تو اسکی حق تلفی اور اسکے ساتھ بے انصافی کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور رضامندی میں ہو تو اُس کی بے جا حمایت اور طرف داری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف اور عقیدت کی رو پر چلا جائے) اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا، غریبی و ناداری و فرائض و دوست مندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے تو بے صبری و پریشانی کا اظہار نہ ہو) اور جب وہ فرائض و دوستی اور خوشحالی نصیب فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو نبیوں پر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں فراطرفیت سے بچ جائے، ورنہ اپنی روش درمیانی رکھی جائے، یہی وہ میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا ہے۔ (اے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ان اہل قربت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوق قربت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتہ قربت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو بھی، وہ جنہوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستیا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، ورنہ جو چیزیں قابل تفکر ہیں ان میں غور و تفکر کروں، مثلاً اللہ کی صفات و اس کی آیت، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے، اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اس کے حکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے، اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو اس طرح اللہ سے جوڑا جائے، الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو)۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو کر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خود اس طرح کہ واللہ کی ثناء و صفت ہو یا اس کے احکام کی تعمیم و تبلیغ ہو یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام و حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ اللہ کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر جہت مان ہو، (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور بولوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا۔

ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ صرف ایک بات اور قابل ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (۱۰) ان نو باتوں کے علاوہ ہے، گویا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرمادیا جس کے لئے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور سے مامور ہیں، اور وہ آپ کا خاص خاص فرض منصبی ہے، یعنی جس میں نبی من المثلر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا

منفی صورت ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرمادیں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی وہ حدیثیں کافی ہیں۔

عَنْ مَعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تُعَقِّنْ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةَ مَكْتُوبَةٍ مُتَعَمِّدًا فَإِنْ مِنْ تَرَكَ صَلَاةَ مَكْتُوبَةٍ مُتَعَمِّدًا لَقَدْ بَرِئْتُ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ، وَلَا تُشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حُلَّ سَخَطِ اللَّهِ، وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزُّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ وَأَلْتَ فِيهِمْ فَأَلْبَسْتُ وَأَلْفَقْتُ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدْبًا وَأَخْفَهُمْ فِي اللَّهِ - (رواه احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلاواں جائے۔ اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کے نکل جاؤ۔ اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصد نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصد اچھوڑی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔ اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ بنی ہوئی ہے، (اسی لئے اس کو امر غیبات کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے بدعتوں کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پیچھے نہ بھاؤ، اگرچہ کشتوں کے پستے تک رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی وہابی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے تو تم وہیں جھے رہو، (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاؤ) اور اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ نخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوں۔ ان کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔ اور ادب دینے سے اپنے ان پر (حسب ضرورت و موقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔

حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابل ذکر ہیں، شریعت کا مشہور و معروف مسئلہ ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے، کہ اگر کسی شخص کو شرک و کفر پر مجبور کیا جائے اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار یہی قنور رہوں گا، تو مار ڈال جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے، کہ صرف زبان سے شرک و کفر کا اظہار کر کے اس وقت جان بچاؤں جاؤں۔ لیکن عزیمت اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک و کفر کا اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے حضور نے ان کو نصیحت فرمائی کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی پروا نہ کریں۔ اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اہل و عیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جائے تو تم بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ

بھی اولیٰ اور افضل کا بیان ہے، اور مستحب یہ ہے کہ اوراد کو چاہئے کہ نئے تخت سے تخت حکم ورنہ وار سے ناگوار حکم کو بھی مانے، ورنہ مسند یہ ہے کہ مال باپ کے ایسے تخت اور تاج جب تک بات کا چوراہا نہ ہو، پھر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں امر رضا کارانہ طور پر اور ایسا کرے۔ (اور کسی دوسرے کی کہیں حق تافیل نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بند بات ہے۔

نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصد ترک کی، اس بیتہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا۔ یہ ان حدیثوں میں سے ہے جن کی بناء پر حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے محدثین نے تارک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ امام اسلمہ جو نماز دین میں سب سے اہم ہے اور قید کر دے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برکت کی یہ بھی یہ سمجھتا ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ نماز فرض نماز چھڑنے کی امام میں کوئی نجاش نہیں ہے نہ امر میں کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر نہ رہے۔ حضور کی اس جامع وصیت کے تحریری حصہ کا تحقق اور ان خبر گیری ورائگی تادیب و تربیب سے ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ہم حضور کی باطل تحریری وصیت یہ ہے کہ **پس اے ایمان والو! میں نے خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کیلئے جو تمہارے دل میں بھی گرتی پڑیں وہ ویسا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اور ہم اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہونگے۔**

۹۸ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ قَالَ يُبْكِينِي شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنْ يَسِيرَ الرِّبَاءُ شِرْكَ وَمَنْ عَادَى لِلَّهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللَّهَ بِالْمُحَارَبَةِ إِنْ اللَّهُ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُتَقَلَّدُوا وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يَقْرَبُوا قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدَى يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءٍ مُظْلِمَةٍ۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں آئے، وہاں انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روتے ہیں، حضرت عمر نے ان سے دریافت کیا، تمہارا اس رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا، کہ مجھے ایک بات رسول اللہ سے ہے جو میں نے رسول اللہ سے سنی تھی میں نے آپ سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے، کہ تمہارے سر پر بھی شرب ہے اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی تو اس نے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی اور بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان نبیوں کا کہ مقتدی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی انکو تلاش نہ کرے، اور جہنم ہوں تو کوئی ان کو دعوت دیکر اپنے پاس نہ بلائے، انکے دس ہدایت کے روشن چراغ، نکل جاتے ہیں کالی کندھیوں میں سے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کر کے دہر دہر رہتے تھے، چند جزاء پر مشتمل ہے۔ پہلی بات یہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہوڑا سا ریا بھی شرک ہے، اور حقیقت تنہا یہی بات ن بندوں کو رہنے کے سے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شدت و قہمت کو بھی جانتے ہوں۔ کیونکہ خفیہ اور باریک قسم کے ریا سے پتہ ان بندوں کیسے بھی بہت مشکل ہے جو اس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بس اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی چھوٹا سا تہی نئی عمارتیں کا یہ ماحول ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کر کے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہئے وہ نصیب نہیں ہوا۔ غالباً حضرت معاذ کے اس رویے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے کہ ریا کے متعلق اس اعتبار کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دوسری مرتبہ تنبیہ یہ فرمائی تھی کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو ان کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی ان خاصان خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اس کے غضب اور عذاب سے حسینا چاہتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو نیکو کار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہادت سے بچنے کی وجہ سے کوئی ان کے اس امتیاز کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے منام اور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو ان کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور مہم جو ہوں تو وہ ان کو مدعو نہ کرے، ان کے دل روشن ہونے دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے فتنوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رویے میں غالبان کے اس احساس کو بھی دخل ہو گا کہ افسوس ہم ایسے منام اور نامعروف نہیں رہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کسمپرسی کی نہیں رہی، اور ممکن ہے یہ بھی محسوس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحس بندے کی مجھ سے کوئی حق تگنی نہ ہوئی ہو، اور اس کو میری ذات سے کوئی ایذا بھی نہ پہنچ سکی ہو۔

۹۹ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوْلِهِ إِلَى أَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْصِنِي قَالَ أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَزِينُ لَأَمْرِكَ كُنْ لَهُ قُلْتُ رِذْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ رِذْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِطَوْلِ الصُّمْتِ فَإِنَّهُ مِطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ قُلْتُ رِذْنِي قَالَ إِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الصَّحْحِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُورِ الْوَجْهِ قُلْتُ

(۱) کثرتِ صحن مشق کے حدیث کے آخری فقرے کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ ”مذہب کے وہ بندے تاریک اور مہم جو مکاتوں میں سے بہت دور ہوتے ہیں، یعنی ان کے رہنے کے مکانات ندھیرے اور تاریک ہوتے ہیں۔“ اس عاجز کے نزدیک رات یہ ہے کہ ”مہم جو فتنوں کی کافی آندھیرا ہے،“ اس عاجز نے ترجمہ و تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

رِذْوِي قَالَ قُلِ الْحَقُّ وَانْ كَانَ مُرًا قُلْتُ رِذْوِي! قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللَّهِ لَوْمَةٌ لَا تَمُوتُ رِذْوِي! قَالَ لِيَحْجُزَكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے یا ان سے روایت کرنے والے شیپے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلہ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کر دینے والا ہے اور سنو ر دینے والا ہے، تمہارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! امرہ وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر و بزم پڑھو، کیونکہ یہ عبادت اور ذکر ذریعہ ہو گا آسمان میں تمہارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہو گا تمہارے لئے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا، حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: زیادہ غامض رہنے اور کم بوشی کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرتے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: زیادہ ہنس چھوڑ دو کیونکہ یہ عادت دین کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ حق اور سچی بات ہو، اگرچہ (لوگوں کیلئے) ناخوشوار اور کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ، حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم جو چہ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہئے کہ وہ تم کو باز رکھتے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقویٰ کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین و ترستہ کر دینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقویٰ کو اپنا شعار بنالے، تو اس کی ساری زندگی طاعت و بندگی والی زندگی ہو جائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا۔ پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی جہنم میں تمہارا ذکر ہو گا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے

(تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت و ذکر کی وسعت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ

اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہو گا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور دراصل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اسے ظاہر میں بھی محسوس ہوتا ہے۔

اسکے بعد رسول اللہ نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے، اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہنچا سکتا ہے، جھوٹ غیبت، بہتان، گالی گلوچ، چغل خوری وغیرہ، یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”آدمیوں کو جہنم میں منہ کے بل اُن کے زبانوں کی بیباکیوں ہی ڈبوائیں گی۔“ پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے، وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا۔ واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی امید نہ ہو، اس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتاب الایمان میں یہ حدیث ضرور چکی ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اُسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ بولنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مرجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی خلعت آ جاتی ہے، اور اس کا اثر ظہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابوذر کو یہ فرمائی کہ اپنے پیسوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اُس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو، بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا، اور اپنے نفس کا ایک سچے مؤمن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ قصور وار اور گناہ گار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب ان ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔

نافل اندین خلق از خود ب خیر ! جرم گویند چہ یک در

۱۰۰ عَنْ مُعَاوِيَةَ أَلَّهُ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ أَنْ تَكْتُبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي فَكُتِبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَا بَعْدُ فَلَا تُسَمِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنَ التَّمَسُّ رَضِيَ اللَّهُ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاءُ اللَّهِ مُؤَلَّةَ النَّاسِ وَمَنِ التَّمَسُّ رَضِيَ النَّاسُ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَلَّمَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور انہیں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور نصیحت فرمائیں، یہ بات مختصہ اور جامع ہو، بہت زیادہ نہ ہو۔ تو حضرت ام المومنین نے ان کو یہ مختصہ خط لکھا

سدا ہو تم پر۔ اب بعد میں نے رسول اللہ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو رخصی کرنا چاہے، دو گون کوپے سے خفا کرے، تو اللہ مستغنیٰ مردے گا اس کو دو گون کی فکر و بار برداری سے، اور خود اس کے سے کافی ہو جائے گا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کرے، تو اللہ اس کو سپردِ مردے گا دو گون کے۔ والسلام

اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاص کر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بھڑکتا ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو، تو بہت سے دک خفا ہوتے ہیں، جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی امیدیں ہیں، اور جن سے ہر کام نکلتے رہتے ہیں اور سروہن لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والے رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اس نے رضا الہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو رخصی رکھنا چاہا اور ان کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے، اور بندوں ہی کے حوالے کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔ حاصل یہ کہ اگر بندہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو سے چاہئے کہ وہ ہم معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصول حیات بنالے، اور اس کے قلب مؤمن کی صدا یہ ہو

یہ نیکیست اگرچہ شیطوں میں مختلہ ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے ایک پورہ دفتہ ہے۔

معارفُ الحديث

...

كتاب الاخلاق

۱۰۰۔ اخلاق کا مفہوم

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے، اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے۔ اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ میں اخلاق کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے ہم مقصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔ اور ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگوار رہے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں، تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیوں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے وہ نقد و نیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد والی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ اجرِ الرحیمین کی رضا اور جنت ہے اور بد اخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ **النَّبِيُّ أَحْسَنُ**

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے جوار شادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسن اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اول کے ”مختصرات“ کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

۱۰۱۔ اخلاق کا مفہوم

(۱۰۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱۰۲ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایماناً احسنہم خلقاً۔

ترجمہ: یہ ایمان جو سب سے مکمل ہے اس میں ایمان والوں میں ایمان والا بہترین ہے۔

ترجمہ: یہ ایمان جو سب سے مکمل ہے اس میں ایمان والوں میں ایمان والا بہترین ہے۔
 زیادہ تر لوگ اس کے معنی میں اس کے خالق بہت اچھے ہیں۔ اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔
 اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔ اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔
 اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔ اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔
 اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔ اس کے ایمان والے بھی بہت اچھے ہیں۔

۱۰۳ عن ابی الدرداء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اقل شئی یوضع فی میزان المؤمن یوم القیمۃ خلق حسن۔

بو داؤد والترمذی

ترجمہ: ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والے کے دن میں جو کچھ بھی اچھا ہو اس کا وزن قیامت کے دن مؤمنین کے لیے ہوگا۔
 خالق ہوں گے۔

۱۰۴ عن رجل من مزینے قال قالوا یا رسول اللہ ما خیر ما أعطى الإنسان؟ قال الخلق الحسن۔

ترجمہ: مزینے سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! انسان کو کون سا خیر عطا کیا جائے گا؟
 اس نے فرمایا کہ اچھا خلق۔
 اس نے فرمایا کہ اچھا خلق۔

ترجمہ: یہ خیر جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے وہ اچھا خلق ہے۔
 اچھا خلق جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے وہ اچھا خلق ہے۔
 اچھا خلق جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے وہ اچھا خلق ہے۔
 اچھا خلق جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے وہ اچھا خلق ہے۔
 اچھا خلق جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے وہ اچھا خلق ہے۔

۱۰۵ عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان المؤمن لیدرک بحسن خلقہ درجۃ قائم اللیل وضائم النہار۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ سے کہا آپ
رہا فرماتے تھے کہ صاحبِ یمن بندہ اپنے قتلے خلاق سے اس کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات
چھ نکلے نمازیں پڑھتے ہوں، اور ان کو ہمیشہ روزہ رتے ہوں۔

صاحبِ یمن یہ ہے کہ جس بندہ کا جس یہ ہو کہ وہ تنہا ہو، قتل سے جان بچنے پر مامور ہو،
اور ساتھ ہی اس کو حسنِ خلاق کی بات بھی نصیب ہو، تو سچے عورت و زیادہ نیکیت نہ پر جاتا ہو، اور
کشت سے نکلی روزہ نہ رکتا ہو، لیکن چھ نکلے حسنِ خلاق کی وجہ سے اس صاحبِ یمن کو عبادت
نمازوں کا درجہ پاک کا جو تمام اہلِ دین کا درجہ اس سے بھی جو راتیں نکلے میں جاتے ہوں اور ان کو
عموماً روزہ رتے ہوں۔

۱۰۶ عَنْ مَعَاذٍ قَالَ كَانَ اخْرَمًا وَصَاحِبًا بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَعَتْ رَجُلِيْ
لِي الْفَرْزَانِ قَالَ يَا مَعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہاتھ دیکھ کر دیکھی
جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھا تھا، یہ تھی کہ آپ نے فرمایا میں نے اسے اپنے
اخلاق و خصلتوں کی بدنامی خدا سے کرتا تھا جسے خلاق سے لیتا تھا۔

رسول اللہ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو مشن کا وارنر بنا کر بھیجا تھا،
مدینہ طیبہ سے ان کو رخصت کرتے وقت آپ نے ان کی اس اہمیت سے بہت ہی گفتگو میں تمہیں جو خدمت
معاذ سے مختلف ہو رہی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا
مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت سے خدمت پنی سواری پر ہمارے ہوئے اٹھا اور اس کی رکاب میں میں
نے پاؤں رکھا، تو اس وقت آخر کی نیچت حضور نے مجھ سے یہ فرمائی تھی، کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ
خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عوامی مجرم و غم پریشاں عوامی خلی سے ملتی
ہوں اور سختی کے بغیر ان کا حال نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی
میں کوتاہی اور مہمست ہوگی۔ بہر حال عدل و انصاف و ایمان و تہذیب و ان کی حدود کی پابندی کے ساتھ
مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں ان پر سختی کرنا ہی اخلاقی قانون میں بھی حسنِ خلاق سے
خلاف نہیں ہے۔

ف یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت معاذ کو مشن رخصت کرتے وقت آنحضرت نے ان سے
یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید اس کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، اور یہاں میرے میرے مسجد اور میری قبر
پر تمہارا گزر ہو۔ اور چونکہ آپ کی عام عبادت ایسی بات کرنے کی تھی، جس سے حضرت معاذ نے اس سے
بہت ہی مجھ کا آنحضرت اپنی وفات کی صرف اشارہ فرما رہے ہیں، شاید یہ کہ ان میں حضور

کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمان دیا کہ وہ کسی اور جگہ جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے (اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذؓ کی واپسی حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوئی، اور جب آپ ﷺ کو آپ کی قبر مبارک ہی لو پایا۔)

۱۰۷ عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ۔

رواہ فی المؤتذرو رواہ احمد عن ابی ہریرۃ

حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو اعمال تک پہنچا دوں۔ (امام مالک نے اس کو اپنی موت میں ہی طرح بغیر کی صحابی کے حوالے سے روایت کیا ہے، اور امام احمد نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقصدِ بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس ترکیب کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے خلاق و اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

۱۰۸ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا

رواہ الحدیث

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ (تم میں سے مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گو یا رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دومت کو خاص دخل ہے۔

حسن خلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا بھی پڑھ لیجئے اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجئے۔

۱۰۹ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْتَ خَلْقِيْ لِأَحْسَنِ خُلُقِيْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

کرتے تھے ”اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی نیچھے مروے۔“

ف رسول اللہ ﷺ حسن اخلاق کی ما بہت سے موقعوں پر مختلف لحاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوت میں آپ کی وہ نامور نقل کی جائیں گی۔ یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجئے۔

شیخ مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی چھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دوران نماز میں جو دعا میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی

وَاهْدِنِي لِحَسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتہ سے بہتہ اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتہ اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا، اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے بند دے، ان کو تیرے سوا کوئی بند بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حسن اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یہاں پر اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اپنے اور برے اخلاق

رحمدنی اور رب ربی

رہمت دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمن اور رحیم اس کے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتن کس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم لھانے والے اللہ کی رحمت نے خلق میں

(۱۱۰) عَنْ جَوْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ۔ (رواه البخاری)

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے ساتھ رحم نہیں اور دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔ (بخاری، مسند)

اس حدیث میں **الناس** کا لفظ عام ہے، جو مؤمن و کافر اور متقی و فاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اسے شرف اور فخر کے انجم کا ہمارے دس میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو پہچاننے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو، تو اس سے اس کو پہچاننے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے والے اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کریگا۔

نتیجہ مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے والے انسان کی مادی مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جس میں انسان کے تمام حقیقتوں کے ساتھ ساتھ انسانی حقیقتیں ہیں۔ اس کے آگے ان حدیثوں میں ان مومن کی ہدایت کی ہے۔

۱۱۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بَنَرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبُ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِي فَنَزَلَ الْبَشَرُ فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ فِيهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَعَفَّرَ لَهُ فَأَلْوَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِي كُلِّ ذَاتٍ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو شاہد میں دیکھا کہ وہ راستہ چلا جا رہا تھا اسے سخت پیاس تھی، چلتے چلتے اسے ایک کنواں ملا، وہ اسے نذر کر دیا پانی پی کر بہا کر آیا، نو میں نے نذر کر کے کھل کر اس نے دیکھا کہ یہ تو اسے جس کی زبان پر تھی وہی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ بیچ کر رہا ہے اس آدمی نے اس میں بہا کر اس سے وہ بھی پیاس کی کمی کی تھیں کہ مجھے تھی اور وہ اس سے پھر تھیں پھر اس نے نو میں میں تر اور سینے پر سے لے کر اس میں پانی بہا کر اس نے اس کو اپنے منہ سے کھلا اور اس میں سے بہا کر کھل گیا اور اس سے وہ بھی پیاس کی کمی ہو گیا۔ وہ تعجب سے اٹھی اس رحمہالی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اس عمل پر کئی بخشش کا فیصلہ فرمایا۔ یہ بخشش صحابہ نے حضور سے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا کہ یہ مال خدا کا ہے اور ان کی تالیف و تدوین میں بھی ان کے لئے اجر و ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اور خود و مرتبہ رہتے ہوئے جانور (کی تالیف و تدوین کرنے) میں ثواب ہے۔

بخشش و ثواب ایک معمولی عمل کی خاص کیفیت یا خاص حالت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور اس کا کرنے والا اس پر بخشش دیا جاتا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچئے ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی مناس کی طرف چلا جا رہا ہے، اس کو پیاس کی شدت ایسی حالت میں اس کو ایک کنواں نظر پڑ گیا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان نہ تھا اور وہ وہاں نہیں ہے اس لئے مجبور یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اتر گیا وہیں پانی پیا اور کھل گیا، اب اس کی نظر ایک کتے پر پڑی، جو پیاس کی شدت سے کچھ چاٹ رہا تھا، اس کو اس کی حالت پر ترس آیا اور اس میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تعلق یہ ہو گا کہ پتہ راستہ لوں اور منہ پر جلدی پہنچنے کے ترام کروں، اور دوسری طرف اس کے جذبہ رحم کا داعیہ یہ ہو گا کہ وہ میرا راستہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں

سو پر س پہلے دنیا کو پہنچا دیتا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَنْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حُمْرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمْرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَعَعَ هَذِهِ بَوْلَيْدَهَا؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا - وَرَأَى قَرْيَةً تَمْلِكُ قَدْ حَرَقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَقَ هَذِهِ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ - (رواه أبو داود)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ایک عہدہ فوجی سپاہیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک دن انہیں رسول اللہؐ کے ساتھ لگے، آپ قسماً، حاجت کے ساتھ تشریف لے گئے، اس وقت انہیں ہماری نظر ایک سٹن چریا (خاموشی) پر پڑی، اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے سٹن کے ساتھ چلی گئے، انہوں نے انہیں دیکھا، وہ چریا آئی اور ہمارے سروں پر مندرجہ ذیل آگے، اس کے ساتھ ایک آگے، آپ نے فرمایا، کس نے اس کے بچے پڑے؟ اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور آپ نے چوٹیوں کی ایک ہتھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چوٹیوں کے ساتھ ساتھ ہے) اور چوٹیوں کی بہت کشت تھی) ہم نے وہاں آگ لگائی تھی۔ آپ نے فرمایا، اس نے ان کو اس سے جلیا ہے؟ ہم نے عرض کیا، رسول اللہؐ () ہم نے ہی آپ کو لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا، آپ کے پیچھے آگ لگنے والے خدا کے ساتھ اس کے ساتھ یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ اس کا خدا ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین میں چھوٹیوں کا بھی حق ہے کہ ان کو ہلا جائے۔

١١٥ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ امْرَأَةً النَّارِ فِي هِرَّةٍ وَبَطْنِهَا فَلَمْ تُطْعِمَهَا وَلَمْ تَدْعَهَا تَأْكُلْ مِنْ خُشَّاشِ الْأَرْضِ -

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک بے رحم عورت اسلئے جہنم میں گرائی گئی کہ اُس نے ایک بلی کو باندھ کے (جھوٹا مارا)۔ اُسے تو اسے خواہش تھی کہ وہ اپنا روپا ورنہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔

حضرت جابرؓ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار رب
رحم عورت بنی نہ انیل میں سے تھی اور آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں یہ خواب یہ بیداری سے کی اور
ماتھے میں اس کو دوزخ میں پھنسم خود جتنا نے عذاب دیا۔

بہم حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے دردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔

۱۱۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمُصْطَوِقَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُنْزِعُ الرَّحْمَةَ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابوالقاسم سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالنا چاہتا رحمت کا مادہ مگر بد بخت کے اس سے۔

مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بد بخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بد بخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

۱۱۷ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَاَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُسُوءَةَ قَلْبِهِ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَاطْعِمِ الْمُسْكِينَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے اپنی قسوت قلبی (بختی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا دے دو۔

بختی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بد بختی کی نشانی ہے، معاملے نے رسول اللہ سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ سے طاعت دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ جو کسے یتیم مسکین و محتاج دیا کرے۔

رسول اللہ کا بتایا ہوا یہ طاعت عمل انفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بدلہ پہنچا چکے کہ حضور کے اس ارشاد کے اس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، مگر وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدریج اس کی یہ جہی ہے کہ اس کیفیت کے آثار و اثرات کم و بیش پیدا ہوں گے، مثلاً اللہ چھوڑ دے کہ بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اس کی بنیاد بھی ان اصولوں پر ہے۔

جہاں یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا دینا، اصل جذبہ رحم کے آثار میں سے ہے، لیکن بسبب اس کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل بہ تکلف ہی کرنے لگے، تو اللہ اسے قلب میں جہی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

۱۱۸۔۔۔۔۔

خدا تعالیٰ اپنی کرمی و مہربانی پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نہا کر بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے، جس طرح جنس و مرغوبی، یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ کرنا، سب رنجی اور سختی کی ایک

خاص سورت ہے۔ ان دونوں سے بارہویں بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے

۱۱۸. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ - وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ عَالِدٍ بَخِيلٍ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سخی (یعنی سہماں) قریب خدا سے ہے، قریب لوگوں سے ہے، قریب جہنم سے ہے، اور بخیل (یعنی بھونچا) دور خدا سے ہے، دور لوگوں سے ہے، اور بخیل قریب آگ سے ہے۔ اور الجاہل (یعنی نادان) سخی سے زیادہ محبوب خدا کے لیے ہے۔

۱۱۹. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى اتَّقُوا اتَّقُوا عَلِيًّا - (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگو! تم لوگو! علیؑ سے ڈرو، ڈرو۔ (بخاری و مسلم)

۱۲۰. عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ لَقَالَ لَا -

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی چیز کا جواب نہیں دیا کہ ہاں یا نہیں، بلکہ ہمیشہ فرمایا کہ نہیں۔

۱۲۱. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عِنْدِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرْنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ لَيْلٌ وَاعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شِئْتُ أَرْضُهُ لِدِينٍ -

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس کھد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یکن ہوئی کہ مجھ پر تین رقیں بھی ملیں نہ لڑیں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اس کے کہ میں کسی قریشی یا عجمی سے اس میں سے کچھ روک لوں۔ (بخاری، ص ۲۰۰)

۱۲۲۷ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيمَانُ فِي قَلْبٍ عَبْدٍ أَبَدًا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حرص و انحصار ایمان بھی ایک دوسرے میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی دنیاوی، دنیوی، ایمان کا دلی جوڑ نہیں)۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور انحصار کی حالت میں ایسی منافات ہے کہ جس میں واقعی ایمان نصیب ہوگا اس میں انحصار نہیں آتا، اور جس میں انحصار ہوگا وہ ایمان کا کچھ حصہ اس میں ایمان کا فوراً نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہم ایک نکتہ بھی یہ بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات و صفات پر کامل ایمان والے یقین کے بعد اس میں انحصار و انجور و جین کی نسبت سے اس بات میں نہیں ہو سکتی۔

۱۲۲۸ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَّاءٌ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو کچھ بذر، بخیل اور مَنَّاء میں نہ جاسکے گا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بھی نسبتیں (تو کہ باری، بخور اور احسان کرے جتنا) ان خطرناک اور تباہ کن حالت میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں راہ روک بننے والی ہیں، اس سے جو بندے جنت سے شاق و روزخ سے خائف ہوں، انکو چاہئے کہ ان باتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

ترجمہ و تفسیر

ترمذی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرمہ، رقصہ روار کو معاف نہ کیا جائے، اور اس سے اتنا منہ نہ کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو جس اس کی خاص صورت ترغیب دیتے تھے۔ پسند ہی ورق پہنچے۔
اسے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور ان میں سے ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اس کو معاف کر دیا کروں۔ اس سلسلہ کی ایک دوسری حدیث میں اس بات پر اشارہ ہے۔

۱۲۲۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا فَتَمَّ أَبَا بَكْرٍ وَالنَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَتَعَجَّبُ وَيَتَبَسَّمُ

فَلَمَّا اكْتَرَرَ رَدُّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهُ أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانَ يَشْتُمُنِي وَأَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ غَضِبْتَ وَلَقُمْتَ قَالَ كَانَ مَعَكَ مَلِكٌ يَرُدُّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَيْهِ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ تِلْكَ كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظَلِمَ بِمَظْلَمَةٍ فَيُغْضَى عَنْهَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا أَعَزَّ اللَّهُ بِهَا نَصْرَهُ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيدُ بِهَا صِلَةً إِلَّا زَادَ اللَّهُ بِهَا كَثْرَةً، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ يُرِيدُ بِهَا كَثْرَةً إِلَّا زَادَ اللَّهُ بِهَا قِلَّةً۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو کایاں دیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے مسلسل کایاں دینے پر اور ابو بکر کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور قسم فرما رہے تھے، پھر جب اس آدمی نے بہت ہی زیادہ کایاں دی (ور زبان و رو کا ہی نہیں) تو ابو بکر نے بھی اس کی بخش باقوں کو اس پر استیفاء کیا اور پتہ جواب دیا، پس رسول اللہ ﷺ کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چل دیے (حضرت ابو بکر کو اس سے بہت فکر و ملال لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضور ﷺ کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے)۔ پس ابو بکر آپ کے پاس پہنچے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی کہ) وہ شخص مجھے کایاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اٹھ گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جب تک تم خاموش تھے، اور صبر کرتے تھے تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جواب دہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو وہ فرشتہ تو چلا گیا، اور شیطان بچ میں آگیا (کیونکہ اسے امید ہو گئی کہ وہ ڈرائی کو اور آگے بڑھ سکے گا)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اب ابو بکر اتمین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ عز و جل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی ہر پور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اس کو عزت دیں گے)۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صدقہ خیر کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور بہت زیادہ دیں گے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (خبر و رست سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کیلئے سوال اور گدائی کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو ور زیادہ کم کر دیں گے۔

انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا امرِ چاہئے ہے، لیکن فسقیت اور عداوت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ شخص خواص میں سے تھے، اس لئے آپ نے انکی طرف سے تھوڑی سی جوابدہی کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے

وَجَزَاؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةً مِّثْلُهَا لِمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ۔ (شوری ۴۲، ۴۰)

اور برائی کا (قانونی) بدلہ اُسی کی مثل برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی کسی نے کی، اُس کے بدلے میں اس کے ساتھ اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے لیکن اللہ کا جو بندہ تقام نہ لے اور معاف کر دے اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

۱۲۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادَكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا قُدِّرَ غَفَرَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ با عزت ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ بندہ جو (قصور وار پر) قہر پائے کے بعد (اور نہ لایے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔

یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصور وار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سزا مقرر ہے، اُس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ خود رسول اللہ جو دنیا میں سب سے زیادہ رحمدل تھے، آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنیوالوں کو ہمیشہ معاف فرمادیتے تھے۔ لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق سزا دے دیتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ

عَنْ عُمَرَ وَسَمِعَةَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ لَقِيَ الْإِمَامَ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

۱۲۶ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْ أَعْفُوًّا عَنِ الْخَادِمِ لَقِصَمْتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْ أَعْفُوًّا عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلُّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (بخاری)

سوائے کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے، تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ نے جواب دیا کہ:

۱) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔

اگر بالفرض روزانہ ستہ دفعہ تہنہ مسور ہے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ شمار کا مطلب یہ تھا کہ تصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکی حد مقرر کی جائے، بلکہ حسن اخلاق اور ترجمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستہ دفعہ بھی قصور کرے تو اسکو معاف ہی کر دیا جائے۔

جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے، ستہ کا عدد ایسا معمولی ہے کہ یہ نہ لے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

رحمہم ہی کی شاخوں میں سے، یا یوں کہہ دیجئے کہ نرمے شرموں میں سے احسان کی صفت جمی ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص سے ساتھ اپنی طرف سے بھائی کی جائے خواہ اس طرح کہ سب کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا کوئی کام کر دیا جائے، اسکو آرام پہنچایا جائے یا کوئی کام کر دیا جائے جو اس کیلئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان ہی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے امت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

۱۳۶. عَنْ أَنَسٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ ۔

حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور ان کی ضروریات حیات کا حقیقتہً اللہ تعالیٰ ہی نہیں ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور ان کی ضروریات کا مجاز نہیں ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ہماری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کے ساتھ احسان کرے اس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی ان کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملوثا رہتی ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ احسان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کی ساتھ میں سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اس کو انعامات سے نوازاں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خواہ اس بادشاہ کے باغی ہو گئے یا دوسرے ناقابل معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ

نبیؐ وغیرہ اور ان کی عبادت کے لیے جو کچھ ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہی ان میں سے کچھ لوگ بھی ہیں جن کی عبادت کے لیے انہیں بہت اور نعمتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ بھی ہیں جن کی عبادت کے لیے انہیں بہت اور نعمتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ بھی ہیں جن کی عبادت کے لیے انہیں بہت اور نعمتیں ملتی ہیں۔

۱۲۸. عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُونُوا أُمَّةً تَقُولُونَ إِنَّ أَحْسَنَ النَّاسِ أَحْسَنًا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ وَطِنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ أَحْسَنَ النَّاسِ أَنْ تُحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا۔ (رواه الترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں میں سے ایسا امت نہ بنو کہ کہے کہ ہم سب سے بہتر ہیں اور لوگ اس میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ اور اگر وہ ظلم کرے تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ اور اگر وہ نیکی کرے تو ہم بھی نیکی کریں گے۔ اور اگر وہ سب سے بہتر ہو تو ہم بھی سب سے بہتر ہوں گے۔ اور اگر وہ سب سے بدتر ہو تو ہم بھی سب سے بدتر ہوں گے۔

مناسب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا پھیلنا ہو یا ظلم اور بدسلوکی کا دور دورہ ہو، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ان کا رویہ اور اس کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی ہونا چاہیے۔ نیز یہ حسن صرف ان لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہم سے بہتر احسان کرتے ہوں بلکہ جو ہم سے کم احسان کرتے ہوں۔ ان میں سے کچھ لوگ بھی ہیں جن کی عبادت کے لیے انہیں بہت اور نعمتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ بھی ہیں جن کی عبادت کے لیے انہیں بہت اور نعمتیں ملتی ہیں۔

۱۲۹. عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضَى لِأَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي حَاجَةً يُرِيدُ أَنْ يُسْرَهُ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِي وَمَنْ سَرَّ اللَّهُ وَمَنْ سَرَّ اللَّهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ۔

(رواه البيهقي في شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے کسی کو کسی کی حاجت سے سسر دیا تو اللہ نے مجھے سسر دیا۔ اور جو اللہ نے سسر دیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جو شخص کسی کو کسی کی حاجت سے سسر دے گا وہ اللہ کی طرف سے اجر کا مستحق ہوگا۔ اور جو شخص کسی کو کسی کی حاجت سے سسر نہ دے گا وہ اللہ کی طرف سے سزا کا مستحق ہوگا۔

اور جنت ہے۔

۱۳۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمُسْكِينِ كَالسَّاعِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يَفْطُرُ۔

(رواہ البحاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بند سب شوموں اور سب سہار کی عورت اور کسی مسکین کی جتنی آدمی کے کاموں میں دوڑا توپ کرتا ہو وہ اجر و ثواب میں اس کا بھائی بن جائے جو اللہ کی راہ میں دوڑا توپ کرتا ہو۔ روایت ہے کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔ اور اس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پر قائم ہو اور تھکن نہ ہو اور اس دن بھی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو بھی بے روزہ رات ہی نہ ہو۔

جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا احسان خواہ کی قسم کا اور بندہ کی مخلوق کے ساتھ یہ جانے دو اللہ و راضی کرنے والے نکلے ہیں خاص کر یہی سب سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اس کے کاموں میں دوڑا توپ کرنا تھانہ نچا نکل ہے کہ اس کے لئے والے بندے اجر و ثواب میں ان بندوں کے برابر ہیں جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہوں یا جو نماز اتہار اور قائم اللیل ہوں۔

پتوں سے پتوں احسان کی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے

۱۳۱ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُحَقِّرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُلِقْ أَخَاهُ بِوَجْهِ طَلْقٍ وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاكْثِرْ مَرَقَتَهُ وَاعْرِفْ لِحَارَكَ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ میں اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو تھانہ کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اس سے ملاقات کرے (یہ بھی احسن سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا ہڈی پکاؤ اس میں شوربا بڑھا دیا کرو، کچھ پمپہ بھر اس میں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی نکال کر دو۔

مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے عزیز، اقارب اور اپنے پرہیزیوں کے ساتھ احسن سلوک کیا کرے حسب استطاعت ان کو کچھ دیا کرے، اور اگر کچھ دینے کی کوئی زیادہ چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھنے دینے سے نہ رکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جمینی کے ساتھ ان سے ملا کرے، یہ بھی احسن سلوک کی ایک صورت ہے،

در تھنہ تھا نفی اس سے بھی باقی محبت و تعلق میں خائف نہ تھا۔ عہد و ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا قدرتی نہ تھا۔۔۔ جب کسی حد میں وحشت پڑے تو اس میں شور مچا دیا اور یہاں سے چلا گیا اور کسی پڑوس کے گھر بھی اس میں سے گزرتا تھا۔

در اصل حسن سلوک کی ان قدری صورتوں کا ذکر انصاف نے بطور مثال سے کیا ہے، ورنہ مطالبہ یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

۱۳۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَإِنَّ مِنَ

الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلِقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ۔ (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ حسن سلوک کی صورت اور اس کی قسم، جو بھی تیرے ساتھ ہو، اور اس کی ایک صورت (جس میں چھوڑ دینی بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شہت روٹی کے ساتھ ملو، ورنہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے دوسروں سے ایسے بھائی کے برتن میں پانی نہ ملو۔

اس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے دل سے پانی نہ ملنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو اور اس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو، اور جس طرح تم اس کے کام کر سکتے ہو، اس میں دریغ نہ کرو، اللہ کی نعمت میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ کی ہدایت پر عمل کیا جائے تو ایسی محبت و مروت کی فضا ہو، اور ایسا بھائی چارہ ہو۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتایا۔ اس پر احسان کرنا وہ عقیدہ کی یہ موقوف نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں غرہا بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریف ہو سکتے ہیں۔ امدادوں کی قیمتی ہدایت کی قدر کرنے اور ان سے فی بدو بھانے کی ہم سب کو توفیق ہے۔

احسان کا ایک عملی درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خواہش نہ کرے، مگر وہ اس میں پسندیدہ کوئی دوسرا جہت مند اس کے سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دیدے، ورنہ تو تالیف النہی، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے، رسول اللہ کا خواہ اپنا طرز عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

۱۳۳ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُودَةٍ فَقَالَتْ يَا

رَسُولَ اللَّهِ اكْسُوكَ هَذِهِ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَأَاهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَحْسَنَ هَذِهِ فَأَكْسَيْتُهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَمَهُ أَصْحَابُهُ قَالَ مَا أَحْسَنْتَ حِينَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

یہی جواب دیا، پھر (میں بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں جہاں بکسچا، اور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا کہ اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحیح پختہ طریق کو ملحوظ رکھ کر فرمایا تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہونے انصار میں سے ابو طلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بنا تا ہوں۔ چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اس وقت ایک مہمان ہے) کیا تمہارے ہاں پتہ ہے؟ بیوی نے جواب دیا، کہ ہاں اپنے بچوں کا کھانا ہے اس سے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میں نے تمہارے کھانے کے لئے کچھ بھی پتہ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا، تو پھر ایسا کرو کہ ان بچوں کو کچھ سے بہلا کے (بلا کھلائے) سلاؤ، اور جب تمہارا مہمان گھر میں آجائے تو (اپنے طرز عمل سے) اس پر یہ حکم کرنا اور ایسا دکھانا کہ (اس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے پینے پاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ سے پاس جانا اور اس کو مل کر دینا (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب نین چھانا، صرف مہمان ہی نے کھانا، اور ان دونوں میں بیوی نے جو کچھ رہ کر رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر ان کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا، راوی و شہد ہے کہ آپ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے

کام نہ ہوا تھا یا

رسول اللہ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونہ نے صحابہ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے

”وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“

ابو طلحہ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیہ معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص الخاص درجہ نصیب ہوا، اس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ نے بطور مجاز یا استعارہ کے **عجب** یا **صحیح** کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب مرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

رسول اللہ نے اُس و محبت و بھیجی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے، اور یہی وہ خود آنحضرت اُس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپ کی خدمت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے۔

۱۳۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَالِفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَالِفُ وَلَا يُؤَلَّفُ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، دوسرے آدمی میں کوئی بھائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو اس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو ویسا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچ سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھاسکیں گے۔ اس حدیث میں ان خشک مزاج متکشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی وہ دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں سے اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ اہلہ مؤمن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔

۱۳۶ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کیلئے ہو۔

کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کیلئے کسی سے بغض رکھے، بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے، میں یہ حدیث کذب چیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری سے فرمایا، کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کیلئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

۱۳۷ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَبُّ عَبْدًا لِلَّهِ إِلَّا أَكْرَمَ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کیلئے کسی بندہ سے محبت کی، اس نے اپنے رب عز و جل ہی کی عظمت و توقیر کی۔

یعنی کسی بندہ کی وہ سب بندے سے اللہ جیسے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق اور اہم ترین اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

... اس میں مکمل محبت کرنا اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں

۱۳۳ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَجَبَتْ مُحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ لِيُ وَالْمُتَزَاوِرِينَ لِيُ وَالْمُتَبَادِلِينَ لِيُ۔

حضرت معاذ بن جبلؓ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں سے جو باہم میری وجہ سے محبت کرتے ہیں اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے ہیں اور جن میں سے ہر ایک دوسرے کی وجہ سے میری وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔

... اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و پیارت اور اپنے خاصہ کی وجہ سے تعلق و اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں یہ کہتے کرتے ہیں جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ سے بیٹھتے ہیں جس سے بیٹھتے ہیں اللہ سے بیٹھتے ہیں جو چاہے ایک دوسرے سے پر نفرت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی سے کرتے ہیں بیشک اللہ سے یہ بندے اس کے تحقق میں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں میں سے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پیندیدہ بندے ہیں۔ **اللَّهُمَّ احْبِبْ مَنْ أَحْبَبَكَ فَهَذَا** **وَالْمُتَزَاوِرِينَ فَهَذَا** **وَالْمُتَبَادِلِينَ فَهَذَا** (اے اللہ! ہمیں اپنے ان بندوں میں سے کر دیجئے جو تیرے ہی سے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی سے باہم جوڑ کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی سے آپس میں بیٹھتے ہیں، اور تیرے ہی رضا سے ایک دوسرے سے پر نفرت کرتے ہیں)۔

۱۳۴ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخَاهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى فَأَرَادَ اللَّهُ لَهُ عَلَىٰ مَذْرَجَتِهِ مَلَكًا، قَالَ آيِنَ تُرِيدُ قَالَ أُرِيدُ أَخَايَ فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ آتَىٰ أَحَبَّتُهُ فِي اللَّهِ قَالَ فَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكَ يَا اللَّهُ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحَبَّتُهُ فِيهِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے، جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا، ملاقات کے لئے آیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رگوں پر ایک فرشتہ منتظر بنا کے بٹھادیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا تو)، فرشتہ نے اُس سے پوچھا، تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا، میں

اس ہستی میں ربّے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کیا اس پر تمہارے کوئی حسان ہے، اور بولی حق نعمت ہے جس کو تم یورالمر پختہ کرنے کے جا رہے ہو۔ اس بندہ نے کہا: نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی اس کی مٹنی محبت کے تعلق ورتاؤں سے) میں اس کی زیارت اور ملاقات کے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کہ میں تمہیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اس کے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔

یہ واقعہ جو رسوں اللہ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، انجام کی اگلی مدت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی فیہ نبی سے پاس بھی آتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں وہ بدوا کر سکتے ہیں، حضرت جبرائیل کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اس مٹنی محبت کے تعلق سے اس سے مراقبت کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔

— (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو) —

... ..

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأَنَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغِطُّهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللَّهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ عَلَى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَأَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا قَالُوا اللَّهُ إِنْ وَجُوهُهُمْ لَنُورٌ وَإِنَّهُمْ لَعَلَى نُورٍ لَا يَخَالِفُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُونَ إِذَا حَزَنَ النَّاسُ وَقَرَأَ هَذِهِ آيَةَ آلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء و شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، یہاں رسوں اللہ انہیں تو دیکھتے، کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے، اور بغیر کسی مالی بین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے، ہمدرد نور ہوں گے، اور وہ نور کے منہروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس

وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور اس وقت عام انسان ہمتائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھ لی تھی۔
حرف علیہم ولا تم یحزنو۔ (معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست و رستہ دار اس سے خاص تعلق رکھتے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا)۔

اس دنیا میں کوئی رشتہ اور قربابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے عوام جانوروں جملہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح ہر کوئی شخص کسی کی حق برداشت کرتا ہے، اس وادیہ اور تشفی دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جاتا ہے ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں و فاسقوں و جبروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اسی رشتہ اور قربابت کے بغیر کسی دین مبین اور کسی ہدیہ و رشتے کے بغیر محسن اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت نہ کر سکتا ہے۔ یہی ایسا ہی صفت ہے جسکی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے، اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اس درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ممبر کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق سے خارج ہے اور بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں ہر شے ایسا ہوتا رہتا ہے، اس سے جو چاہو کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے، بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ **ہم نذیرہم**۔ اس غلط فہمی کے پیش کے ساتھ یہ بھی پڑھا گیا ہے، اور زبر کے ساتھ روح بھی۔ ہمارے نزدیک وہ نواں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت و الفت کی۔ دین اس اخروی زندگی کے سے جو اصل زندگی ہے منزہ روح کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور روح کے معنی رحمت، نعمت اور رحمت کے ہیں۔ اگرچہ اس غلط کو خواہر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب یک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص خاص نعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔ **لا خوف علیہم ولا هم یحزنون**۔

بندگی محبت کرنا اس کے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں

۱۱۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي الْيَوْمَ أَظْلُهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے دوست جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ میرے دوست کہاں ہیں، راسخ استقامت و استفسار سے نہ ہوتا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چارٹل ریس ادا کیا کہ ان بندگانِ خدا کی یہ مقبوضیت و محبوبیت سارے بلِ محشر اور تمام دین و آخرت کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب سن میں اور دیکھ میں کہ اللہ کے لئے محبت کرنا اس کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد عرش کا عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح کی گئی ہے۔

— — — — —

۱۱۷ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَقُولُ لِي رَجُلٍ أَحَبُّ لَوْ مَا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔

سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندہ سے یا اہل صلح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہو گا؟ اور اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہو گا کہ یہ شخص عمل میں پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ سینے و دین کے تعلق سے محبت تھی۔ اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

۱۱۳ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ فَإِنِّي أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَالَ فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ فَأَعَادَهَا أَبُو ذَرٍّ فَأَعَادَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(روہ بودود)

حضرت عبد اللہ بن صامت رضی اللہ عنہ، ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ابو ذر نے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس قوم سے محبت کرتا ہوں لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس پر وہ کا انجی مانی ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو ذر! تم کو جس سے محبت ہو تو تم اسی سے ساتھ ہو گے۔ ابو ذر نے عرض کیا۔ حضرت! مجھے تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم محبت ہے۔ یہ جواب سن کر ابو ذر نے پھر اپنی بات (ہم کوئی اور رسول اللہ ﷺ نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔

۱۱۴ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا أَعْدَدْتُ لَهَا قَالَ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا إِلَّا آتَى أَحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ لَمَّا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ فَرَحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا -

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا اب اسے بر حال تو (تو قیامت کا وقت اور اس کے آنے کی خاص خبری دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا، میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور نبردہ کے قابل ہو) بت (توفیق الہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ آپ نے فرمایا: تجھ کو جس سے محبت ہے تو ان ہی کے ساتھ ہے، اور تجھ کو ان کی معیت نصیب ہوگی۔ حدیث کے راوی حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں و (یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضور ﷺ کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری، ج ۱)

اس حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا

گویا

لَمَّا فَرَحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ فَإِنَّا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحَبِيٍّ إِلَيْهِمْ وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ أَعْمَالَهُمْ

رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمایندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد، مختلف دینی خوص، لکھن محبت، محاسنہ ہمدردی وغیرہ خواہی و رہے غرضانہ تعین کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اس کے رسول اللہ نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص اکتان زور دیا ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر تشادات تو وہ ہیں جن کا کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن وہ ایک حدیثوں کا یہاں کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۴۵. عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِمِهِمْ وَتَوَادِهِمْ وَتَعَاطِفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عَضْوًا لَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالشَّهْرِ وَالْحُمَى۔ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے۔ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تھینک ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ)

مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم یہی محبت و مروت، ایسی ہمدردی، و ریتا دل تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ ان کو اس حال میں دیکھے کہ ان میں سے کوئی ایک کی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر اور بچہنی میں شریک ہوں۔ وراثر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان ٹھیک نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں

۱۴۶. عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا لَمْ تُشَبَّكَ بَيْنَ أَسَابِعِهِ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کی رضی اللہ عنہ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور ان کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ہی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی ٹیٹیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور ان میں کوئی خانہ نہ ہو۔

مَنْ زَكَّاهُ فَزَكَّاهُ وَمَنْ أَسْفَسَهُ فَاسْفَسَهُ

مندرجہ بالا احادیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا ہر تاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اس کے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہنچانے، اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدوں کیساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُفُّوا الظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا تَجَسُّبُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغُضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی فوہ میں نہ رہا کرو، ورنہ جو سوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش جی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھسنے کی بجائے جو اس مردہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو ورنہ ایک دوسرے سے منہ پھیر دو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔

اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا، یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اس کے ہر کام میں اس کو بد نیتی ہی بد نیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی ان ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہر کی برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا رد عمل ہوتا ہے، اور اس طرح دونوں پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بدگمانی کو فرمایا ہے، یعنی سب سے جھوٹی بات، لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا رسول اللہ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔ اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شاعت اور قباہت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

”حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ“

پھر بدتمانی کے بعد اور جن جن بری باتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ کسی کی کمزوریوں کی فہم میں رہنا، دوسروں میں سیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر رفعت حاصل کرنے اور برکت کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر اس پر حسد کرنا، اور اسکی خوش حالی و خوشحالی کو کھینچنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا حل بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور یہی حقیقی اس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اسکا اہلکار بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے ”اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو“ اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری باتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

۱۱۱. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يُحْقِرُهُ اتَّقُوايْ هَٰهُنَا۔ وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو، تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بدمد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حق تعالیٰ نہ جانے، اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (یہ خبر کہ اس کے دل میں تقویٰ ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اس کے ظہری حیل سے معصوم آدمی سمجھو، اور اپنے اس کے تقویٰ کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اس لئے بھی مسلمان کو حق تعالیٰ نہ سمجھو) آدمی کے برابر ہونے کیلئے تقویٰ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حق تعالیٰ سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش نہ آئے، مسلمان کی ہر چیز اور اس کے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اس کا خون، اس کا مال، اور اس کی تہ (اس لئے ناحق اس کا خون نہ کرنا، اس کا مال لینا، اور اس کی آبروریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔

اس حدیث میں ہم مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو، تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو، اس کو ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔

۱۱۲. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يُحْقِرُهُ اتَّقُوايْ هَٰهُنَا۔ وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔

۱۱۵. عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُنْبَرَّ لِنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ يَا

مَعَشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضْ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤَدُّوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحِيلِهِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منہ پر چڑھتے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا، اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح ترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور ان کے چھپے ہوئے میوبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے ہوئے میوبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے میوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے میوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو نہ ور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کر رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔

جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، ورنہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بند اپنے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، اُن کو ستانے، ان کا دل دکھانے، ان کی کچھلی برائیوں کا ذکر کرنے، ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اُردو میں ایمان کی حقیقت نہ اُتری ہو، ورنہ صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں تو آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب، تہمتوں کا پھیل کر اللہ کے ان بندوں کے پیچھے پڑتا ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عہدیت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، اُن کو لوگوں کی نظروں سے مٹانا چاہتا ہے، ان کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، ان کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو گناہ دیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور ان کے مقام کو برائے اور اُن کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغول نہ کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کے جائیں گے اور ذلت و رسوائی کی مار ان پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خاندان نشین ہوئے بھی بیٹھیں گے تو اللہ ان کو ان کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

بد سے بارے میں حاصلِ اعتبار

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم حسد کے

مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح حجاب کرتا ہے جس طرح تک سڑی کو چھپاتی ہے۔

تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بجھکتی ہے وہ ان کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچنے سے، اس کو بے پروا کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا، تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا ازم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہو گا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو ملا دی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے حجاب نے ہی یہ آسان تو جیہ ہے۔

(۱۵۹) عَنْ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ فَبَلَّغْهُمْ الْحَسَدَ وَالْبَغْضَاءَ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَلْوَلُ تَخْلُقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلُقُ الدِّينَ۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گلی امتوں کی مہلک بیماری حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صنایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صنایا کر دیتی ہے دین کا۔

صحیحہ کرامت کے متعلق اللہ علیم وخبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں، اور وہ ہر اے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ **وَلَفَّ بِسَ قُلُوبِكُمْ**

وَصَحَّحَ بَعْضُهُمْ

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے، کہ اس نے تم پر ایمان لانے والوں کے دل ملا دیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دوست و رستہ خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے۔

بہر حال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحیحہ کرامت کا تعلق ہے ان کے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا، اس لئے اس حدیث **دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ فَحَسَدٌ وَالْبَغْضَاءُ** کا فٹ بھی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ ﷺ پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے امت کو اس آنے والی بد سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سے امتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا وہ میری امت کی طرف بھی چلی آرہی ہے، ہذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں، اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

بَابُ الصَّافِ

۱۵۲ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ إِلَّا عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ كُفْرًا لَقِيلَ اتْرُكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَفِينَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دو شنبہ اور پچھشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندہ مؤمن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، پس ان کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ تپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آئیں اور دوس کو صاف نہ کریں۔

ترجمہ... اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طہرنی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے، کہ ہر دو شنبہ اور پچھشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال ان کے کینہ کے سبب لوٹ دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے سنے کینہ ہو گا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کر لے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہو گا۔

لَا نَحْمِلُ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا

بَابُ الْغِلِّ

۱۵۳ عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ السُّمَاتَةَ بِأَخِيكَ لِيَعَالِيَهُ اللَّهُ وَيَتَلَيَّكَ

حضرت وائلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کر دے۔

ترجمہ... جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے، اس کو شامت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ

یسا وقت دنیوی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر اس پر خوش ہو نیوالے کو مبتلائے مصیبت ردیتے ہیں۔

100

رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ دُشمنوں سے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں دیئے گئے۔

١٥٤ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعَنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهِ -

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ تاکید ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ساتھ اس کی چیز پر بھی نہیں دیتا۔

بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اور بعض لوگ نرم اور مہربان، اور ناشکیبہ حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیر سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گو یہ ایسے لوگ کے خیال میں سخت گیر کی کار براری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا، اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطہ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو، اور اسکے کام پورے کرے، اسکو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو، اور بجانے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

۱۵۵) عَنْ جَرِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحَرِّمُ الرِّفْقَ يُحَرِّمُ الْخَيْرَ۔

حضرت جریر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی نرمی کی

صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے محروم اور خلی باتھ رہا، یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر چھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد و ران کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہیگا۔

۱۵۶. عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَقَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَقَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَقَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَقَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (رواہ المعوی فی شرح السنۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصالت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جسکو نرمی نصیب نہیں ہوئی، وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

۱۵۷. عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيدُ اللَّهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفْعَهُمْ وَلَا يُحَرِّمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کے ساتھ نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے انکو۔ (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۰۷)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصالت عطا فرماتا ہے ان کے لئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصالت سے محروم رکھتا ہے ان کے لئے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصالتوں میں نرمی اور رفق کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعصاں کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہو وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرض کہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مستقل مذاب ہوگی۔ اور اس کے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہو وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرض کہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں

نیئے بھی رحمت و سکون کا باعث ہوگا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی، اور اس کے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرے گی، اور حسد و بدخواہی اور جنگ و جدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی۔ سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم روزمرہ اپنی زندگیوں میں اور اپنے حوال میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بے حد عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آئے ہوں گے وہ ہیں، ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنے سمجھ سکتے ہیں، اس کے لئے رسول اللہ کے اس سلسلہ کے روایات ہمارے لئے کافی ہیں۔

۱۵۸. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ هَيْئٍ لَيْنٍ قَرِيبٍ سَهْلٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ میں جہنم پر حرام ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو میں بتاتا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہو، اور نہ ہو، نرم ہو۔

۱۵۹. اس حدیث میں یہ چاروں الفاظ قریب، لئین، سہل اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو، اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دور دور اور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جنتی ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابہ کرام کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں، اور دین کے لازمی منہ لبات ادا کرتے ہوں، اس لئے اس قسم کی بشارتوں کیساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ (اور بشارت کے موضوع کیسے یہی مناسب ہے) لیکن ذہنوں میں یہ شرط محفوظ اور محفوظ رہنی چاہئے، یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

۱۵۹. عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاطُ وَلَا

الجَعْفَرِيّ-

(رواہ ابو داؤد)

جرمہ حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سخت گناہ اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (۱)

تشریح:..... حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بُری عادت کی برائی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس سے بچنے کیلئے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ ”اس عمل یا عادت“ اور آدمی جنت میں نہ جاسکے گا“ اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت، شانِ ایمان کے خلاف اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے اس لئے جنت کے حساب کار ہل ایمان کو اس سے دور ہے تمام سے پتہ چلتے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا رستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں، اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ بچے مومنین کی طرح اور نہ کہ ساتھ جنت میں نہ جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰۰ عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ بِالْمَدِينَةِ وَأَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُحْلٌ أَمْرِي كَمَا يَشْتَهِي صَاحِبِي أَنْ يُكُونَ عَلَيْهِ مَا قَالَ لِي فِيهَا أَفْ قَطُّ وَمَا قَالَ لِي لِمَ فَعَلْتَ هَذَا أَوْ أَلَا فَعَلْتَ هَذَا۔ (رواہ ابو داؤد)

جرمہ حضرت انس سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا، اور میں نو عمر لڑکا تھا، اسلئے میرا بہادر رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے باطن مطابق نہیں ہوتا تھا، (یعنی نو عمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) نین اس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا، ورنہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں یا کیا کیوں نہیں کیا؟

ترجمہ:..... رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو مستشار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے آخری روز حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، ان ہی کا یہ بیان ہے کہ نو عمری اور لڑپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھے سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، نین بھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اف تک نہیں کہا، اور ابھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم امتیوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ ﷺ نے امت کو جن خلاق کی تائید و التعمد کے ساتھ تعلیم دی ہے ان میں سے ایک حصہ

برہاد کی بھی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصِنِي قَالَ لَا تَغْضَبَ فَرَدَّدَ
ذَلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ
حضرت! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو، اس شخص نے پھر اپنی بات
اور خواست کو بار بار اُپنی کہ حضرت مجھے اور نصیحت فرمائیے، مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت
کیا کرو۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے نصیحت کی درخواست کرنے والے یہ صاحبِ پتھر غیر معمولی قسم
کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے، اور اس وجہ سے ان کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین نصیحت اور نصیحت
یہی ہو سکتی تھی کہ ”غصہ نہ کیا کرو“ کی یہ رسول اللہ نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری حالتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بد انجام دہات ہے۔ غصہ
کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ
انسان پر شیطان کا قبضہ جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا، کو یہ اس وقت
انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ شیطان کی منہمی میں ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی بھی
بھی انہی کلمات بھی کہنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ”غصہ
دین و ایمان واسطہ خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایوانِ شہد کو خراب اور باطل ہی کر دیتا ہے۔“ (یہ
حدیث میں درج کی جا چکی ہے)۔

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہی غصہ
ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہو اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند
نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کی حق کی بنیاد پر ہو، اور انہیں حدود سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ انہیں حدود اللہ کا
پورا پابند رہے، تو وہ کمالات ایمان کی نشانی اور جلالِ خداوندی کا عکس ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِلَّا
الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، پہلوان اور طاقت ور وہ
نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور در حقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے
نفس پر قابو رکھے۔ (بخاری)

غصہ کے برے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لیے یہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی تدبیر کی تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو کوئی خاموش رہے تاہم غصہ کرنے والے سے کہ پھر غصہ دس ہی میں کب سے رہ جائے گا اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

۱۶۷ عَنْ عَطِيَّةِ بْنِ عُرْوَةَ السُّعَدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ.

عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غصہ شیطان سے نکلتا ہے (یعنی غصہ میں حد سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی قوتیں آگ سے ہوتی ہیں (یعنی شیطان اپنی اصل کے نام سے آگ سے نکلتا ہے) اور آگ سے بجھائی جاتی ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو پانی سے دھو کر لے۔

غصہ و فحش کرنے کی یہ خاص ان خاص تدبیر ہے، اور یہی تدبیر اس سے بھی زیادہ کارآمد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آجائے، اور اسی وقت اللہ کے انجیلی حکم پر اسے سب کے ساتھ ساتھ غصہ کی حدت میں فوراً سدھن پیدا ہو جائے۔ اور بالکل ایسا محسوس ہو گا کہ وہ خود کو پانی پر اور راست غصہ کی برکت کی ہوئی آگ پر پڑا۔

۱۶۸ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجْرُعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةٍ غَيْظٍ يَكْظُمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا وہ لی خوبصورتی ایسا نہیں کیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے منکھوت سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جاتا ہے۔

غصہ کو پی جانا جس طرح اردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ پیئے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔ جن خوش نصیبوں کو پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنتِ راستہ کی نئی ہے، قرآن مجید میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

غصہ کو پی جانے والے اور دوسروں کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے

۱۰۰ عَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ فِي أَى الْحُورِ شَاءَ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص پی جائے غصہ کو اور انجائیدہ اس میں اتنی طاقت و قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نفاذ اور پورا کر سکتا ہے (یعنی اس کے باوجود کہ جس نے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے، اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بدلائیں گے، اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔

تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر دے، پس جو بندہ قدرت کے باوجود شخص اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے، کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بدلائیں گے کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حوران جنت میں سے جو حور چاہے وہ اپنے لئے انتخاب کر لو۔

۱۰۱ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ اعْتَذَرَ إِلَى اللَّهِ قَبْلَ اللَّهِ عَذْرَهُ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو کوئی (دوسروں کی بد گوئی وغیرہ بُری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اس کے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تنصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمائے گا)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۰۲ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا شَيْءَ عَبْدُ الْقَيْسِ إِلَّا فَيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُجِبُهُمَا اللَّهُ الْحِلْمُ وَالْإِنَاءَةُ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیذہ عبدالقیس کے سر دار اشج سے رسول اللہ

نے فرمایا کہ تم میں وہ شخصیتیں یہی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک پردہ باری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔

قبیلہ عبدالمطلب کا یہ وفد تھنہ سے کی زیارت کیلئے مدینہ تیار کیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی ساریوں سے دو دو کر جلدی سے دشمنوں کی خدمت میں پیش کیے، لیکن ان میں وفد جن کا نام منذر اور حرف تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سہان کو پہنچا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور پٹے تبدیل کئے، اور اس کے بعد مقامات اورہ قرار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا، اور ان موقع پر ان سے یہ رشتہ فرمایا کہ تم میں یہ وہ شخصیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں، ایک علم (پردہ باری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری انا یعنی کاموں میں جلد بازی اور سب سہاری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور قرار کے ساتھ سمیٹ کر انجام دینا۔

— — — — —

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْآلَاءُ مِنَ اللَّهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

حضرت سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ، کاموں کو متانت و اطمینان سے انجام دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثرات سے ہوتا ہے۔

یعنی ہر ذمہ داری و اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اس کے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۷۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْجَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشُّمْتُ الْحَسَنُ وَالْثُّوْدَةُ وَالْإِفْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ جُزْءٍ مِنَ النَّبُوَّةِ۔

عبد اللہ بن مرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، شتم یہ ہے اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔ (ابن ماجہ)

حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے۔ اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ تعلیم کی زندگی جن محاسن و کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں وسایف کا چوبیسواں حصہ ہیں، یہ کہ انسانی زندگی کی تعلیم کے سلسلہ میں نبی، پیغمبر اسلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین

چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور میانہ روی۔

ہم نے حدیث کے لفظ اقتصد کا ترجمہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچ جائے، اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا، یعنی دن و ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا، تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی، اور اس سے منع فرمادیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا چار ماہ راجہ خدا میں تصرف کرنے کا ارادہ کیا، تو آپ نے انکو اس سے روک دیا، اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔ بہر حال اقتصد کا مطلب یہی اعتدال کی چیز ہے۔

کئی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعتدال کی ترغیب و تاکید آپ پڑھ چکے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے، اسی کو اس حدیث میں ثبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

وسلہ کی اور بدزبان

نہن کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اس کے اپنے جنس کا سب سے زیادہ وسیلہ پڑتا ہے، جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں، ان میں سے اس کی زبان کی شیہ یعنی لٹنی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے متبعین و متبعات کو شیہ میں کشتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کیساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے، ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُوذَا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَا لَهَا السَّامَ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمْ اللَّهُ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ بِالرَّفْقِ وَإِيَّاكَ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ۔ (صحیح)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے (جنس کی خباثت، اور شرارت سے اسلام علیکم کے بجائے) کہا "عَلَيْكُمْ" (جو دراصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (انکی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو تسم، اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ (اسی سختی نہیں!) زبان کو روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے اپنے کو بچاؤ۔

کہو آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت ستاخی سے جواب میں جی جی دینا نہیں فرمایا، اور نرمی
نے اس اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا
لُغَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَلْدِيٍّ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن بدمذہب
نہیں ہے، تمہارے لئے سو کتابیں جنت میں تھیں، اور نہ بد مذہبوں کا جان بٹہ۔

مطلب یہ ہے کہ مومن کا متمیز یہ ہے، اس کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے حق طعن
اور کانٹوں نہ نکلے، کتاب میں وہ حدیث مذکور نہیں ہے جس میں اختلاف و نزاع سے وقت کامیاب بنے
کو منافق کی نشانی بتایا گیا ہے۔

۱۱: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَشِّرْ ابْنَ الْعَشِيرَةِ أَوْ
بَشِّرْ رَجُلَ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ قَالَ انْذَرُوا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ أَلَا لَهُ الْقَوْلُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ قَالَ إِنْ هَرَأُ النَّاسِ مَنَزِلَةٌ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنْ وَدَّعَهُ
أَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ لِحَشِبِهِ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بڑی بات
جوازت چاہی، آپ نے (امرواؤں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے
قبیلہ کا برا آدمی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے کی جوازت دیدو، پھر جب وہ آیا تو آپ نے اس
کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہ نے آپ سے عرض کیا کہ یہ
رسول اللہ (ﷺ) آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی، اور پتہ آپ نے اسی کے
بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلہ کا بہت برا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے
نزدیک درجہ کے جانور سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جسکی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے
وہ اسکو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے پرہیز کریں)۔

رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور برا بھی ہو، جب بھی اس سے
بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہتے ہو، اور نہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی
ایک شخص سے ملنے اور بات کرنے سے پرہیز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اللہ کے نزدیک
بہت برا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اس کا حال بہت برا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھنی چاہئیں

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے آنے سے پہلے اس کے بارے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس رکھ کر

غالباً اس نے وہی تھی کہ وہ اس کے سامنے محتاط ہو کر بات کریں اور کوئی ایسی بات نہ کر میں جس جو کسی شریر اور برے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَا تَغْتَابُوا بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِي عَوْنِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضِكُمْ**۔ (فجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے سکا لوگوں سے ڈر کر نہ کرو، تاکہ اللہ کے بندے اسے شہادت سے محفوظ رہ سکیں)۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور برا ہونا معلوم ہو اس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ کسی وقیعہ کی تصحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: **لَا تَغْتَابُوا بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِي عَوْنِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضِكُمْ** جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اس آدمی سے شفقتی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی و بدکرداری ہم جانتے ہوں ان سے انچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: **لَا تَغْتَابُوا بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِي عَوْنِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضِكُمْ**۔ یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی نہیں کر ملتے و ملتے ہیں، جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی ابو داؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اس سے آپ نے ایسی بشارت و شفقتی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: **لَا تَغْتَابُوا بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِي عَوْنِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضِكُمْ**۔ یعنی اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بد زبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا۔ ”مطلب یہ ہے کہ بد زبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے، ہذا میں ایسے کامر تلمب ہو سکتا ہوں۔“

(۱۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ، اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے، جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔

یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس چوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تصدیق صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے۔ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے

”دل بدست آور کہ چ آہ است“

دنیا میں جھگڑنے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے ہمیشہ سے نہ رہا ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اسی کے رسول اللہ ﷺ اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی امید نہ ہو، تو خاموش ہی رہا جائے۔ یہ تعلیم رسول اللہ ﷺ کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دار و مدار بتادیا ہے، اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن و قبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات میں گذر چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں۔

۱۷۶۰ عَنْ مَعَاذٍ قَالَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسْرُهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ تَعَبُ اللَّهِ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمِ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَجَالَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتَّى بَلَغَ يَعْمَلُونَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذُرْوَةِ سَنَامِهِ فَلَنْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَمْلَكٍ ذَلِكَ كُلُّهُ فَلَنْتُ بَلَى يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هَذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخِلُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ فَكَلِّتَكَ أُمَّكَ يَا مَعَاذُ وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاحِيرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ السِّنَنِ.

۱۷۶۱ رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا، تم نے بہت بڑی بات پوچھنی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق دیدے)۔ لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو فکر اور اجتہاد سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا یہاں میں تمہیں خیر کے دروازے

بھی بتادوں؟ (گویا جو چھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرض تھے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے اور دروازے بتاؤں! غالباً اس سے آپ کی مراد نفل عبادات تھیں، چنانچہ حضرت معاذؓ کی طلب دیکھ کر آپ نے اُن سے فرمایا (روزہ) گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچنے والی) سپر اور ڈھال ہے، اور صدق گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نماز تہجد کا بھی یہی حال ہے، اور ابواب خیر میں اس کا خاص خاص مقام ہے) اس کے بعد آپ نے (تہجد و صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورہ سجدہ کی یہ آیت پڑھی :

تَتَجَاوَىٰ جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١﴾
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾

پھر آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتادوں؟ (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت خدا ورتادیں! آپ نے فرمایا، دین کا سر، یا سر اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتادوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں بچ اور بے وزن ہیں، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت وہ چیز بھی ضرور بتا دیجئے! پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا، اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بیباک اور بے احتیاط نہ ہو، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے عرض فرمایا، اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ ہے) آ میوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل لیا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زید و تر) ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈالوائیں گی۔

اس حدیث میں ارکان اسلام کے بعد آپ نے ابواب خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس کا جز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے، اور اسی سے آپ نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر آپ نے اسلام کو **راس** یعنی دین کا سر بتلایا ہے، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے، اور اس کے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ رتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کیساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے والے جو نعمتیں اور آفتخوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پر وہ غیب میں رکھا گیا ہے اُس کو کوئی بھی نہیں جانتا، اس انداز ہی کو اس کا علم ہے۔

بنائے تو اس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو، پھر نماز کو آپ نے دین کا ستون بتلایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں، پھر آپ نے جہاد کو دین کی بلند ترین پوٹی فرمایا، ظاہر ہے کہ دین کی بندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے۔ حدیث کا سب سے آخری جزء جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا ارودہ اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے، یعنی زبان کی بیباکیاں ان سب اعمالِ حسنہ کو بے وزن و رے نور کر دیتی ہیں۔ پھر جب حضرت معاذ کو یہ سن کر تعجب ہوا، اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں و رے بائیوں کی وجہ سے اُسے جائیں گے۔ آج بھی یہ دیکھنے والا نکچشم خود دیکھ سکتا ہے کہ جو بڑے بڑے کماؤ ہاکی طرح کام میں اور جن سے نچکنے والے بہت ہی کم ہیں، ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے۔

ہرچہ بر آدمی برسد ز زباناں ہمہ ز آفت زباناں برسد

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَلَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ لَقَوْلِ اللَّهِ
لَنَا لَأَنَّا لَنَحْنُ بِكَ فَإِنْ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اغْوَجَجَتْ اغْوَجَجْنَا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مورسوں اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور حاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے اُرد، کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے، اور اگر تو نے غلطی روئی غلطی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اسے کاٹ دیا جائے گا)۔

اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہر کی اعضاء میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی سیخس نویت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء بزبان حال یا بزبانِ قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اس لئے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاءِ انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ
(جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم

اور اس کے سارے اعضاء کا صلاح و فساد اس کے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس

کی خاص ترجمان ہے، اس لئے دونوں کی نوعیت یہی ہے، کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں قساو و رکجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَضَمَ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنَ لَهُ الْجَنَّةَ۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی ٹہرہ مکاؤ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں) میں اس کیلئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔

انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ نسان کی ٹہرہ مکاؤ ہے، اس نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اسکا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کریگا، اور شہوت نفس کو بھی خدا کے حکام کا پابند رکھے گا، میں اس کیلئے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات غور کرنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخیط وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے، کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَخَوْفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ لَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هَذَا۔ (رواہ العرمذی)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبان مبارک کچن کے فرمایا کہ سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے، البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے، لہذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ سواں کرنے والے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اسلئے حضور ﷺ نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

(رواہ احمد و الترمذی و الدارمی و السیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چپ رہا وہ نجات پایا۔

تقریباً مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ بلاست کے غار میں گرنے سے بچ گیا، اسی حضرت معاذؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بیابیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرا کر جاتا ہے۔

۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النِّجَاحُ؟ فَقَالَ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعَكَ بَيْتُكَ وَأَبْلُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ۔

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا کیا ہے (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ سب جانے چاہئے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے سے نبی (جو) اپنے گناہوں پر اللہ سے شرم میں رویا کرے۔

زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے، لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ ”تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کو کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھومنا، بلکہ اپنے گھر میں اور باہر بچوں میں رہ کر کھر کے کام کاج دیکھا کرو، اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شہد ہے کہ سب ضرورت باہر گھومنا سینکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

۱۸۲) عَنْ أَنَسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَآثَقُ لِلْمِيزَانِ؟ قَالَ لَئِنْ بَلَى قَالَ طَوْلُ الصُّمِّ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَاللَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی دو خصلتیں بتاؤں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر پتہ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابو ذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ دونوں خصلتیں نہ ور بتا دیجئے! آپ نے فرمایا، زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حسن اخلاق، قسم میں پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے کہ سب ضرورت اور نامناسب اور ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا قدرتی طور پر وہ مہوئے اللہ اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کیلئے آپ کو ہدایت دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں

کوئی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کے دیکھنے والے
سچی بات نہ کرنے آپ کا حال یہ بیان فرمایا۔

(رسول اللہؐ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ
(آپ صوفیوں کی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی)۔

عن عمر بن الخطاب قال انت انا در فو حدثہ فی المسجد فحتسا بكساء اسود و حدہ
فقلت يا انا در ما هذه الوحده فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
الوحده حر من حبس السوء والحلس الصالح حبر من الوحده واملاء الحبر حبر من
الشكوت والشكوت حر من املاء الشر۔

عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو
میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کان میں لپیٹے ہوئے باطل ایسے بیٹھے ہیں، میں نے
عرض کیا کہ ابوذر! یہ تنہائی اور بیسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح باطل ایسے اور سب سے
اہم مسئلہ دنیاویوں اختیار فرمایا ہے) انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے، آپ
فرماتے تھے، ”برے حالتیوں کی نمائندگی سے ایسے رہنا اچھا ہے، اور اچھے حالتوں کے ساتھ بیٹھنا
تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی واقعتی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بری باتیں بتانے سے بہتر
خاموش رہنا ہے۔“

اس حدیث میں یہ بات زیادہ سے است و وضاحت ایسا تھا آئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہے
وہ بری باتیں کرنے سے متناہی میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اسی طرح یہ
بات بھی صحت سے آئی ہے کہ برے لوگوں سے ساتھ اختلاط و نمائندگی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلی کی
صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

ن یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور ان کی استعدادیں اور ان کے
درجات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہؐ کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف
طباع اور مختلف درجات رکھنے والے بندگان خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ
کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج
اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں ان سے مناجات کے لئے شاق اور رراں ہوتا
ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہؐ
کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس حدیث میں فرمایا اور جس پر خود

① رواہ ابوغوی فی شرح السنہ عن جابر بن سمرقہ۔ مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ۔

② رواہ الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل عن انس بن علیؓ فی صفاتہ و شمائلہ۔

اُن کا عمل تھا۔ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہوس اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں ان کی بھی اصلاح اور درستی کیلئے ان سے مناجات اور رائے برسرِ ثروت سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے ان کی خدمتیں کرنا اُن کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر سنیں گی) اسی طرزِ عمل کی رہنمائی فرمائی ہے، اور اکثر صحابہ کرام جو حضرت ابوذرؓ کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے، ان کا طرزِ عمل وہی تھا۔ پس صحابہ کرامؓ کی یہ بات کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانہء مابعد کے اہل ایمان اور اہل صدق کے مختلف طبقوں کے طرزِ عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی نہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے۔ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں درحقیقت انہوں نے ایمان کی وسعت، تعلیم نبوی ﷺ کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

۔۔۔۔۔

(۱۸۱) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔

۔۔۔۔۔ حمد ۔۔۔۔۔

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اس کیلئے ضروری اور مفید نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسین سے مرسل روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسند حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسل و مسند ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے)۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت سے ہے، اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان ”ترک ما لا یعنی“ ہے۔

۔۔۔۔۔

جن بڑی عادتوں کا تعلق زبان سے ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن کو سنگین جرم اور گناہ عظیم قرار دیا ہے، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے، اُن میں سے ایک چٹخنواری

بھی ہے۔ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے، ان بری عادت کا نام چغلی خوری ہے۔ چونکہ آپس کے تعلقات کی درستگی و خوشگوارگی اور حسن معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیمِ نبوی کے مقصد میں سے ہے (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے جی اہم قرار دیا گیا ہے) اس لئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، خواہ یہ کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہر حال چغلی خوری کو رسول اللہ نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اس کے برے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

۱۵. عَنْ حُدَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاتٌ۔

(رواہ البخاری و فی رواہ مسلم بم)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ چغلی خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

مطلب یہ ہے کہ چغلی خوری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، اور بولی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کرے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

۱۶. عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غُنَمٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللَّهِ الَّذِينَ إِذَا رَأَوْا ذِكْرًا لِلَّهِ وَشَرَارُ عِبَادِ اللَّهِ الْمَشَارُونَ بِالتَّيْمِمَةِ الْمُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْأَحَبَّةِ الْبَاغُونَ الْبَرَاءَةَ الْعَنَتِ۔

عبدالرحمن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جسکو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھا نیو لے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں، اور جو اسکے صاحب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک و مسن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔

(مسند احمد، شعب الایمان ص ۱۱۱)

اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ اُن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان اُن لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عداوت چغلی خور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈالوں جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگانِ خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ صحبت و محبت کیلئے ایسے بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو، اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی بُرائی کے درپے رہتے ہوں،

اور اُن کو بدنام کرنا اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے، اور ان کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

۱۶۶) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبْلَغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أَحِبُّ أَنْ أُخْرَجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ الصَّدْرِ -

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے رنج ہو۔

رسول اللہ نے اس حدیث کے ذریعہ امت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق کسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا مکان ہو (یعنی واقع رہے کہ جن موقعوں پر شرعی نہ ورت اور دینی مصالحت کا تقاضا کسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ موقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغلی خوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بدنامی سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اسے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذریعے اس کو ناگواری اور اذیت ہو، اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی و رعب آبروائی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے، اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے، جس کے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک و دردور رس نکلتے ہیں۔ اس لئے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شدت اور سنگینی کو ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن و حدیث میں ”اپنے مرد و بھائی کا گوشت کھانے“ سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہر حال غیبت کو رسول اللہ نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھٹوئی بد اخلاقی اور گناہ بہیرہ قرار دیا ہے۔ اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے، بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی بُرائی اور بد اخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے، اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔ اس تمہید کے بعد رسول اللہ کی یہ چند حدیثیں پڑھئے:

۱۶۷) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قُلُوبَهُ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ لِي بَيْتِهِ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے دو دو گواہوں پر ایمان لے لو، ورنہ ایمان بھی ان کے دلوں میں نہیں آتا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور ان کے چہرے ہونے میں ہونے پر کمرہ (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی نواگاہی اور ان کی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہوسکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں، ورنہ ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

۱۸۹ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا غَرَجَ بَنِي مَرْزُثَ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وَجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جَبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لَحْمَ النَّاسِ وَيَقْعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاء اعلیٰ کے اُس سفر میں) میرا گذر چہرے ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت مذاب میں مبتلا ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھا کر رہے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور ان کی آبروؤں سے کھیتے تھے۔

نحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اس کو بھی نیس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں ۔۔۔۔۔ کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں چسے ہوئے سرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ ان کیسے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس لئے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے، یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔

۱۹۰ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِيْبَةُ أَهْلٌ مِنَ الزَّوْنِ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ أَهْلٌ مِنَ الزَّوْنِ؟ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيُزْنُ فَيُتَوَبُّ فَيَتَوَبُّ اللَّهُ عَلَيْهِ (وَفِي رِوَايَةٍ فَيَتَوَبُّ فَيَغْفِرُ اللَّهُ لَهُ) وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتَّى يَغْفِرُهَا لَهُ صَاحِبَةٌ.

(رواہ السہلی فی شعب الایمان)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت
رنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت غیبت رنا سے زیادہ سنگین
یونکر ہے؟ آپ نے فرمایا (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بد بختی سے رنا کریتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے
سکی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود
شخص معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے
نہیں ہوگی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَذَرُونَ مَا لِي غَيْبَةً؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ لِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ
مَا تَقُولُ لَقَدْ اغْتَابَتْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ لَقَدْ بَهَتْهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا یا تم جانتے ہو کہ
غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا
تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس حد تک ذکر کرنا جس سے اس کو ناواری ہو (اس میں غیبت ہے) کسی نے عرض
کیا کہ حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعہ اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت
ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا غیبت جب ہی ہوئی جبکہ وہ برائی اس میں موجود ہو، ورنہ اس میں وہ برائی
اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت
سے بھی زیادہ سخت و سنگین ہے)۔

اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے، ورنہ
بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور
مفسدہ کے انسداد یا کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا
اس کے علاوہ یہ کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو، تو پھر اس شخص یا
گروہ کی بُرائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہِ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں
تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف واپی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر
کرنا، تاکہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضراتِ محدثین کا غیر شیعہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا،
اور دین و شریعت کے محفّظ علماء حق کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب کی قبیل سے ہے۔

—————

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فرقے سے

مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں، تو اس کے ساتھ اپنے حسنِ تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو اردو زبان میں "دو زبان" کہتے ہیں، اور عربی میں "الوجهین" کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ ﷺ نے ہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَوْلَاءَ بِوَجْهِهِ وَهَوْلَاءَ بِوَجْهِهِ۔ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم قیامت کے دن سب سے بُرے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو پہلے دونوں سے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ بدلتا رہتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔ (صحیح بخاری)

قیامت میں یہ آدمی جس بدترین حالت میں آئیں گے اس کی بہت تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے۔

عَنْ عُمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِسَانَانٍ مِنْ نَارٍ۔ (رواه ابو داؤد)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

تشریح... اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح برے اعمال اور برے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں، وہ بھی مختلف قسم کے اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسبت مقرر فرمایا ہے، پس دورِ خاپن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں تک کی دو زبانیں ہوں گی۔ (صحیح بخاری)۔ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہمارے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ (تم اس کو معمولی اور بکلی بات سمجھتے ہو، مگر اللہ کے

نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے۔ یہ بُری عادت (دو رن پین) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق، امانت و خیانت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں جن اخلاقِ حسنہ پر بہت زور دیا اور جن کو لازمۃً ایمان و اسلام قرار دیا ہے ان میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث امانت میں گزر چکی ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا، نفاق کی خاص علامات میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ برائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اس طرح یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی جا چکی ہے کہ ”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں“ اور یہ کہ ”مؤمن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا“۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ رشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے براہِ راست سچائی اور امانت داری پر قلم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۰۰۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الرِّوَاثِ الْبَرِّ يَهْدِي إِلَى الْحَيَاةِ وَمَا يَزَالُ الرَّحْلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صَدِيقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبُ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّحْلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَابًا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیونکہ سچ بولنا نیک کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیک جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے، اور سچائی ہی کو اختیار کرتا رہتا ہے تو وہ مقدم صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتا رہو، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کرتا رہتا ہے، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین لکھ لیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذاتِ خود بھی نیک عبادت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے، اور ہمیشہ سچ بولنے والے آدمی مقدم صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا بذاتِ خود بھی ایک خبیث خصیت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والے آدمی کذابیت کے درجے

تک پہنچ کر پورا عقیق بن جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي قُرَادٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَذَا قَالُوا حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَلْيَصْطِقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا تَمَنَّيَ وَلْيُحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ.

رواہ اسبقی فی شعب الایمان

عبدالرحمن بن ابی قراڈ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے کر (پنہ چروں اور جسموں پر) مٹاتے تھے آپ نے فرمایا ”تم کو کیا چیز اس فعل پر مادہ کرتی ہے، ہر کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”اللہ اور اس کے رسول کی محبت“ ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت ہو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہی خیانت کے بغیر اس کو دے کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتہ سواک کرے۔

۲۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ رہنے سے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بجا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنَ الْفَسِيكُمُ اضْمَنُوا لَكُمْ الْجَنَّةَ أَصْدَقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ وَأَذُوا إِذَا تَمَنَّيْتُمْ وَاحْفَظُوا لِرُؤُوسِكُمْ وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ وَكَفُّوا أَيْدِيَكُمْ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم چھ باتوں کے ضامن ہو جو ذرا ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے انکی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روک لو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستو، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کیے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)۔

منصوب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ

کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے، اور آپ اپنی اس محرومی پر وہ مصمت نہیں رہنا چاہتا ہے۔
تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک رکھنا چاہئے۔

۷۰. عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ ثَلَاثِينَ مِيلًا مَا جَاءَ بِهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

جس طرح اسی مادی عامر کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس واسطے کہ فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں، اور انہی بھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جنہی روحانیت انہی مادیات پر غالب آجاتی ہے۔

۷۱. عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَبِي الْحَضَرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُفِّرَتْ خِيَانَةٌ أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا وَهُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ۔

سفیان بن اسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سننا ہے آپ فرماتے تھے یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی جھوٹی بات بیان کرو اور انہی ایسے دوستوں کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہرحال گناہ اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں اسکی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ جتنی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اسکو اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اسکو دھوکا دو۔

۷۲. عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلْتُ شَهَادَةَ الزُّورِ بِالْإِضْرَاكِ بِاللَّهِ فَلَئِنْ مَرَّاتٍ لَمْ أَقْرَأْ لَأَجْتَنِبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْأَوَّلَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ خُفَاءً لِلَّهِ غَيْرَ مُسْمُوحٍ بِهِ۔

خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی، جب آپ اس سے

فارغ ہونے تو ایک دم کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی اٹھانے والے ہاتھ کے برابر مردی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورہ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔
(بتوں کی، یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہونے کی نوس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)۔

ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دیجائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی اللہ کے بندے کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورہ حج کی مذکور ہوئی آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کیساتھ ذکر لیا گیا ہے، اور دونوں سے بچنے کی تاکید سے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان کا حوالہ دیکر رسول اللہ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضگی اور عنت کا باعث ہونے میں شرک ہاتھ کے ساتھ جوڑی گئی ہے، اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہ سے ارشاد فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: ”کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟“ پھر آپ نے فرمایا ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاہدات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا“ راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے یعنی اس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا وجہ ہے، اس سے قیچا ہوتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

۲۰۳

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ صَبْرٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَنْقُطُ بِهَا مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مارے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہو گئے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِمِثْلِهِ
لَقَدْ أَوْحَبَ اللَّهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ لَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ
اللَّهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ قُصْبًا مِنْ أَرَاكِ - (رواه مسلم)

حضرت ابو امامہ باہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے
قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر مار لیا، تو اللہ نے اسے آگ کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے اور
جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) مرچہ وہ بولی
معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی دہشت گردوں کی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی، تو کیا
اس صورت میں جہنم دوزخ اس کے لئے واجب اور جنت اس کے لئے حرام ہو گی؟ آپ نے ارشاد
فرمایا: ہاں! مرچہ بخوشی دوزخ میں پہنچائی جاتی ہے۔

یعنی اگر بالکل معمولی اور ہلکا سا چیز بھی قسم کھا کر بولی جائے تو جہنم دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

عَنِ الْأَعْثَمِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ أَحَدٌ مَالًا بَيْنَ
إِلَهِيَّ اللَّهِ وَهُوَ أَجْدَمُ -

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کا مال جھوٹی
قسم کھا کر مار لے گا، واللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہو گا۔

ان تینوں حدیثوں میں اس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم
کھا کر مار لے۔ فریق کا مال مار لے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن
جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہوگی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو گا۔ بعد اللہ سے عرصہ و
عقابہ)، اور حضرت ابو امامہؓ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہ شخص جہنم میں آئے گا اور دوزخ اس کے
لئے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے۔ اور اشعث بن قیسؓ کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہ شخص قیامت کے دن
نور بھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہو گا۔ اللہ کی چنانچہ سختی جہنم میں آئے گا اور اس میں باہم کوئی
منافقت اور تضادات نہیں ہے۔ ہذا امر یہ شخص اس عظیم مرتبہ سے قویہ اور کافی مرے اس دنیا سے نہیں کیا ہے، تو
پھر ان حدیثوں کا تشابہ کیسے ہے کہ اس کو یہ سب پتہ پیش آئے گا اور وہ یہ سارے عذاب چکے گا۔ اور اقلہ یہ ہے کہ
حاکم کی حدیث میں خدا کی قسم کھا کر، اور خدا کو دیکھ کر، اور اللہ کے نام پر، اور اس کے بندے کے نام پر، اور
اس کو آبرو کرنے کے لئے خدا کے نام کو استعمال کرنا، جسے اللہ کے نام پر، اور اس کے بندے کے نام پر، اور اس کے
جائے میں حکمت ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَللَّهِ لَا يَكْلِمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَنْظُرُ
إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ أَبُو ذَرٍّ خَابُوا وَخَسِرُوا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ

الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سَلَعَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ قیمت کے دن اللہ تعالیٰ نے ان سے تمکرم ہو گا۔ نہ ان پر عافیت کی نظر پڑے گی، اور نہ ان کو ہوں اور گندگیوں سے ان کو پاک کرے گا، اور ان کے دل و دماغ کذاب ہے۔ ابوذر غفاری نے عرض کیا یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے، حضور ﷺ نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنا تہجد صبح سے نیچے نہ کھائے والا، (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان نہ کرنے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چھانے والا۔

جس طرح نامراد بننے کے سامنے کسی معاشے میں جھوٹی قسم کھانا، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور پاک استعمال ہے اسی طرح سودے کو بیچنے کے لئے کاذب کے سامنے جھوٹی قسم کھانے اس کو یقین دلانا بھی اسمِ الہی کا نہایت بے محل استعمال و بڑی ذلت و حرمت ہے، اس لئے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیمت میں ایسے شخص کو درناک مذہب قرار دیا جائے گا، اور اپنی سزا میں بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی تمکرم و راستی نظر کرے گا، اور گندگیوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ان کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا لِي بَيْنَنَا فَقَالَتْ مَا تَعَالَى أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتَ أَنْ تُعْطِيَهُ؟ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمَرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ هَبْنَا مَكِيبَتَ عَلَيْكَ كَذِبًا.

عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمہ گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے پچھ دوں، رسول اللہ ﷺ نے میری ماں سے فرمایا: تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اس کو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: رکھو! اس کہنے کے بعد اس بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں، تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھی جاتا۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ بچوں کو بہانے کے لئے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہی نہیں چاہئے علاوہ ازیں اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ ان کا مقصد صرف بہانہ ہی ہو، پھر بھی بچے ان

سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے، اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

۲۰۸ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ لِيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ۔

بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا احیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے اپنے بیان میں جھوٹ بولے، اس کا افسوس! اس کا پافسوس!

مطلب یہ ہے کہ صرف لطفِ صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا بھی بری بات اور بری عادت ہے، اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولاً تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہوئی چاہئے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

۲۰۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجے کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجہ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی رفقِ اعتماد نہیں رہتا۔ بہر حال مؤمن کو چاہئے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

بَابُ الْخِيَانَةِ

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ننگے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے

۲۱۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِي الْهَيْثَمُ بْنُ التَّيْهَانِ إِلَّا الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ابواہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی

جاتی ہے۔ (امام بخاری)

ابو الیثم بن العیاض نے ایک معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ چاہا تھا، اس موقع پر آپ نے اُسے یہ ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ یہاں تک کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہئے، اسے اس کو اعتماد اور تجربہ سے کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اسکے سپرد کی ہے، لہذا اسے چاہئے کہ حق امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اسکی بات کوراز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجے کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

۲۰۰۰ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ لَمْ يَلْتَفِتْ لَهُيْ أَمَانَةً۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر اوہ اوہ دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (امام بخاری)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہ اسکو راز رکھنا، لیکن اسکے کسی طریقے سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے اور امانت کی طرح تم کو اسکی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمہاری طرف سے یہ امانت میں خیانت ہوئی، اور تمہیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی بندے کے ناحق قتل یا اسکی آبروریزی یا اسکو مالی نقصان پہنچانے کی سازش تمہارے علم میں آئے تو پھر ہرگز اسکو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔ وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے

۲۰۰۱ عَنْ جَابِرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ مَجَالِسَ سَفَكَ دَمٍ حَرَامٍ أَوْ فَرَجَ حَرَامٍ أَوْ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں راز داری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اس مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خون، ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت ہونے کے مشورے سے ہو، تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔

ان باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشاء یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کیسے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس صورت میں تمہاری دیندار اور امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ

کو ناکام بنانے کیلئے جن کو اس سے باخبر کرنا ضروری سمجھو، انکو ضد و برخاب کر دو، اگر یہ نہ کرو گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اور فتنہ و فتنہ کرنے کے اس طریق سے بات چیت کہہ دینا جھوٹ ہے۔

۲۔ عَنْ أُمِّ كَلثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُضْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيُسَمِّي خَيْرًا. (رواه البخاری)

ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا وہ آدمی جھوٹا اور گناہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور (اچھا تاثر ڈالنے والی) باتیں باتیں کرے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے، اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، اور پھر اسے نتیجے میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور تبروریزی تک پہنچ جاتی ہے، اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسرِ جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس کے لئے وہ ضد و رت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کے باتیں پہنچانی جائیں جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جوینہ باتیں بھی پہنچائے جو اسے میں اس فریق نے نہ کہی ہوں، اس مخلص بندے کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا، جو معصیت اور گناہ بیکار ہے، اس یہی اس حدیث کا منشاء ہے۔۔۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کا ”دروغ مصیبت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز“۔

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرت کا عملی جھوٹ ہے، اسلئے رسول اللہ نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا، کہ جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاء وعدہ کو بھی گنایا۔

اور کتاب میں اب بھی اس کے حوالے سے حضرت انسؓ کی وحدانیت نظر آتی ہے، جس میں فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے لئے عہد کا پابند نہیں، اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اب چند حدیثیں اس سلسلہ میں یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں۔

(۲۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُمِّنَ خَانَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ ہے، وعدہ کرے تو اس کو چور نہ کرے اور جب اس کی چیز کا ائمن بنا دیا جائے تو خیانت کرے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی ہے۔ اس میں بھی نظر آتی ہے، اور وہاں پوری تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ منافق کی نشانی ہونے کا کیا مطلب ہے۔ اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی دراصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں موجود ہوں وہ خود متعبد و منافق نہ ہو سکتا۔ اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ منافق وہ آدمی ہے جو نہ ایمان رکھتا ہو اور نہ رشتہ دار اپنے و مسلمان بھی کہتا ہو نہ رشتہ دار چاہے منافق ہی نہ بد اخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہر حال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو منافق کی نشانی اور ایک منافق نہ نہ سمجھنا بتایا گیا ہے۔

(۲۱۵) عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعِدَّةُ دِينَ۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (جس کا اس کو ادا کرنا چاہئے)۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو بچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے، اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے، لیکن اگر باغرض کسی برے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی اور برے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا، ورنہ وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اتنا ہی شریعت کا ثواب ہوگا۔

(۲۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُبْعَثَ وَبَقِيَتْ

لَهُ بَقِيَّةٌ لِّوَعْدِهِ أَنَّهُ إِتِيَهُ بِهَا فِي مَكَانِهِ فَتَبَيَّنَتْ لَهُ كَثْرَتُ بَعْدِ ثَلَاثٍ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ حَقَّقْتُ عَلَى آلَا هَهْنَا مِنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ۔

عبداللہ بن ابی تمسہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاہدہ کیا (پھر جو پتھر مجھے دینا تھا اس کا پتھر احمد قویس نے دیا) اور پتھر "اُمر بن ابی رہیہ" قویس نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں کسی جگہ سے آتا ہوں پھر میں ہوں کیا اور تین دن کے بعد مجھے یہ آیا (میں کسی وقت سے پہنچتا) تو دیکھا کہ آپ کی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی مشقت میں ڈال دیا، بڑی زحمت دی، میں تمہارے انتظار میں تین دن سے نہیں ہوں۔

گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ اپنے وعدوں کی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے اور منتظر رہے کہ وعدہ کی س مدت تک پابندی کرنا ضروری نہیں ہے، (جیسا کہ اس نے بعد ازاں حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی فطرت میں جو "سنتِ تقیم" و وصیت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

۲۱۷۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَأْتِ أَحَدَهُمَا إِلَى وَقْتِ الصَّلَاةِ وَذَهَبَ الَّذِي جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا إِلِمَ عَلَيْهِ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ ٹکرنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک ان میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پر مقرر جگہ پر پہنچ گیا، اور نہ آنے والے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ نماز کا وقت نہ آیا) اور یہ پہنچ جانے پر نماز پڑھنے کیلئے مقررہ جگہ سے چلا آیا، تو اس کو واپس نہ لانا۔

مضبوط یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور پھر دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا، تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آجائے تو یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو اس پر وعدہ خلافی کا الزم نہیں آئے گا، اور یہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

۲۱۸۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ لَيْتِهِ أَنْ يُفِيَّ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيعَادِ فَلَا إِلِمَ عَلَيْهِ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آئے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا، لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے وہی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہے، لیکن اس نے وعدہ نہ پورا کیا، یا تو مہلک سبب سے ہو گا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک دوسرے کا فریب تھا، تو اس کے نہ ہونے میں شہ نہیں۔

توضیح و تفسیر

توضیح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ہے کہ جس نے وہی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہے، لیکن اس نے وعدہ نہ پورا کیا، یا تو مہلک سبب سے ہو گا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک دوسرے کا فریب تھا، تو اس کے نہ ہونے میں شہ نہیں۔

۲۱۹ عن عیاض بن حمار قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله اوحى الى ان تواضعوا حتى لا يغى احد على احد ولا يفخر احد على احد۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تواضع کرو کہ کسی کا حق کسی پر نہ ہو اور کسی کا حق کسی پر نہ ہو۔

۲۲۰ عن عمر رضى الله عنه قال وهو على المنبر يا ايها الناس تواضعوا لاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تواضع لله رفعه الله فهو في نفسه صغير وفي أعين الناس عظيم ومن تكبر وضعه الله فهو في أعين الناس صغير وفي نفسه كبير حتى لهو أهول عليهم من كلب أو خنزير۔

اس حدیث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث سنی ہے کہ جو اللہ کے مقابلے میں تواضع کرے گا، اللہ اس کو بلند کرے گا اور اس کے لیے اللہ سے بڑا ہو جائے گا، جس نے اللہ سے اپنی تواضع کو ختم کر دیا، اللہ اس کو بے وقعت کر دے گا۔

۲۲۱ عن حارثة بن وهب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبركم باهل الجنة كل

ضَعِيفٌ مُتَضَعِفٌ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ إِلَّا أَخْبَرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلِّ عَتَلٍ جَوَاطِ
مُسْتَكْبِرٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ میں تمہاری باتوں کے
خلق ہوں تے۔ جو (معدہ اور) تہ میں۔ اور سخت نہ ہو۔ (عاجزوں کمزوروں کی باتوں کا
روایت نہ ہو، اور سستوں کی باتوں پر سختی ہو) اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو۔ (اور اللہ کے ساتھ
کھائے، تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے گا)۔ اور یہ میں تمہاری باتوں کے اور ان کی باتوں کے ساتھ اور
مفرور انہیں۔

اس حدیث میں اہل بدعت کی لعنت ہے۔ یہاں بھی اس سے مراد وہ ضعیف و متضعف
کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت سے متاثر ہیں۔ بلکہ یہاں ضعیف و متضعف کمزوری والی قہر کی تعریف
صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ۔ (اس قہر سے مسلمان کے زیادہ بہتر اور
محبوب ہے)۔ بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ
شریف اصبح متواضع و نرم خو انہیں ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح ہوں۔ اس سے
اب جائے، اور اس سے وہ اسے کمزور کہیں اور پایا کریں۔ اسی سے اس حدیث میں ضعیف و متضعف
کے مقابلہ میں عتل، جواظ متکبر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہر حال حدیث کا اصل یہ ہے کہ تو ضعیف و
نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور استکبار اور اٹھ پین و زنیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں بدعتوں کی لعنت میں۔ (اس سے مراد وہ ضعیف و متضعف ہیں) کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ
مردہ بندہ اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔ بخاتم اس سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس صریح
شارح فرمایا ہے کہ جب ولی بندہ اللہ کے سے اپنی خودی و منہ اس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا
روایت اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے میاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھائے کہ فلاں بات یوں ہو
تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کر دے گا، یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ
میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص وعدہ کرے گا، تو اللہ اس کی وعدہ و وعظ پوری کرے گا۔

۲۲۲ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي
قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ۔ (رواہ مسلم و البخاری)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ
تپ نے فرمایا، وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے اس میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا۔

ترجمہ: کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اُس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات

اور عزت و اہمیت ہے جس کے لئے بھی قرآن نہیں پڑھا اور اس کے لئے سب کے لئے فائدہ ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ - ۳۰۵

اور اس کی بزرگی اور برتری ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے بڑا دوست اور حکمت والا۔

پس جب جو برخواستہ انسان کہیانی اور برائی کا، عویذ اور ہوا اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور تکبر اس کا رویہ ہو، وہ کو اپنی حقیقت بھوں کے اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لئے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا ہے کہ اپنی اس فحش صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔

یہ سولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بد عملی یا بد اخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جاسکے گا، نہ مطلب مومناں یہ ہے کہ یہ بد عملی یا بد اخلاقی اپنی اصل تاثر کے لحاظ سے جنت سے محروم کرنے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب پہ ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جائیں گے بلکہ ان کو جہنم کا عذاب جنت پر لے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب بھی اس اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہئے کہ غرور، تکبر اپنی اسیدیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈالوانے والی خصوصیت ہے، یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جاسکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور، تکبر کی وجہ سے پہنچائی جائے گی، اور جب وہاں آگ میں تپا کے اُس کے تکبر کے ساتھ جہنم بھی جائے گا، اور غرور کی گند کی لئے اس کو پست و ساف کر دیا جائے گا تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جاسکے گا۔

۲۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ - وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا يُنظَرُ إِلَيْهِمْ - وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، شَيْخٌ زَانٍ وَ مَلِكٌ كَذَّابٌ وَ عَابِلٌ مُسْتَكْبِرٌ - (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، اور ان کا تزیین نہیں کرے گا، اور یہ روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا، اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، ایک زانیہ، دوسرا جہنم فرماؤ، اور تیسرا انداز و غریب متکبر۔

جنسِ معصیتیں بذاتِ خود بھی سنگین اور ناگہیبہ ہوتی ہیں، لیکن جنسِ خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اُمران کا صدور ہو، تو ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، مثلاً چوری بذاتِ خود بڑی معصیت ہے، لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو، جس کو چوری کی بولی ضرورت نہ ہو، یا نہ کاری سپاہی و چوکیدار ہو، تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا، اور اس کو قابلِ معافی نہیں سمجھا

جانبہ فلان اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں جان فدا کیا گیا۔ ان مجرموں پر سیبوں کے قیمت کے ان مدعوین ہمارے منہ ہوا اور ان کا یہ حق نہ لیا گیا۔ اور اگر تین میں یہ مجرم رب ربیم کی نعمت سے بھی قطعاً محروم رہیں گے۔ یہ ہر سال ہمارے ہر گھرانے کا قیام نادر کی حالت میں تبہ کرنے والا اور یہ اس کے ہوائی کی حالت میں ہوائی اس کا جواب دے گا۔ تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ درگزر بھی ہو گا۔ کیونکہ ہوائی کی حالت میں شہادت مغلوب ہونا ایک فطر کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر ہوائی ہر سال ہر سال یہ حالت سے قیام کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اگر ہوائی پیار و محبت کی اپنی ضرورت نہ لے لے کے ہوائی جانے تو اس کا گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ معافی ہو گا۔ لیکن یہ سب فائدہ مند نہیں ہو گا۔ قویہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے ہوائی کی حالت میں یہ حالت مند تبہ کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں ہو گا۔

١٠٠

میں نے اس میں فتنہ و فساد کے باوجود اور بھی انہیں غور و تدبیر کی باتوں پر غور کیا۔ یہ ساری باتیں
انسانیت و رزمینہ پر ہیں۔ غرض قتل و قتل کے یہ مجرم قیامت کے دن ابدی لعنوں کی مہمانوں کے ساتھ ہی
مرمت اور تڑپ سے محروم رہیں گے۔ تو یہ نہ کہ جانے ہمارے صاحبِ ہمت یہ کہ یہ ساری باتیں
کے جائیں گے، اور صرف عقیدہ و ایمان کے ساتھ ہی بنیادیں و مضامین کے ساتھ ہی بنیادیں
کا، ہمارے ہر ایک کے لیے ہے، اور ہمارے ہر ایک کے لیے ہے۔

100

شہ موحیا ایک یہ ہم فطری اور بنیادی صفت ہے جس کو انسان کی یہ تہ ماری میں بہت زیادہ نقل ہے، یہی وہ صفت اور خلق ہے جو آسمانی و بہت سے برے کاموں اور بری باتوں کے رونا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شہ نیک کاموں سے تیار کرتا ہے، اگر اس شہ موحیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جرمیاد و فواحش و منکرات سے اس کی محفوظ ہے، اس کے رونا و مدد سے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

میں سمندر کے آپ کے چند ارشادات قائل میں رہتا ہوں، صرف وہی اندر پہنچنے والے اور حقیقی دینے والے کو شش کیجئے۔

٢٢٠ عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ
الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔

زید بن حلیہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہاؤس تعمیر کروں گا جس میں ہوتا ہے، اور دین اسلام کا اقیقہ زئی و عقیق حیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں کسی کونہیں اور غائب کرنے کی شش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمدلی اور عفو و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمدلی اور عفو و درگزر ہی دین کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام، یعنی حضرت محمد، رسول اللہ کی انی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیا پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور رویہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آبی فواش سے اپنے شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے پتہء جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر تن حصہ پارہا ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپ نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ شر موحیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شر موحیا اپنے ماں باپ کی، اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے، ہذا بندہ کو سب سے زیادہ شر موحیا اسی کی ہونی چاہئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو، آبی کی طبیعت اس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پشیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں زید بن حلقہ تابعی سے مرسل روایت کیا ہے) یعنی ان صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن حلقہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ کے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۲۲۵ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا گذر انصار میں سے ایک شخص پر ہوا، اور وہ اس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا جزو یا ایمان کا پھل ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحبِ تہمت جو بدعتوں کے ترمو حیا کا نصف خاص طور سے علم فرماتا تھا، جس کا قدرتی شبہ یہ نہ ہو کہ وہ اپنے معاصات میں نرمیوں کے تحت یہ کی کے ساتھ وکوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہوں گے، اور بہت سے موقعوں پر ان ترمو حیا کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے، جیسا کہ ان حیا کا موصوہ حال ہوتا ہے، اور ان کے کوئی بھائی نہ تھے، جو ان کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی ان صاحبِ حیا بھائی کو اس پر مدست و سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر ترمو حیا کیوں کرتے ہو، ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کان و انوں بھائیوں پر گزر ہوا، اور آپ نے ان کی باتیں سن کر ملامت و نصیحت کرتے والے بھائی سے ارشاد فرمایا کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پہ چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، ترمو حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے، اس کی وجہ سے باغِ غرض، نیا کے منات پچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

۲۲۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدی و دوزخ میں سے جانچواں ہے۔

ترجمہ: اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیا من ایمان" اور "الایمان فی الجنت" کے الفاظ بیان کیے گئے ہیں، ان کے مطلب یہی ہے کہ ترمو حیا شجرِ ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، جنت میں ایمان کی حدیث میں (جو کتاب، ایمان میں گزر چکی ہے) فرمایا گیا ہے "الحیا من ایمان" (اور ایمان ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) ہم حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب ان کی قیاسیت میں ہے، اور ان کی ایک تعبیر وہ بھی ہے، جو اس سے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے۔

۲۲۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ الْحَيَاءُ وَالْإِيمَانُ قُرْنَاءَ جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور کھٹے ہی رشتہ میں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھ لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ لیا جاتا ہے۔

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھ لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، غرض کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا قیاسیت دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک نہیں ہوگا۔

(۲۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حیا صرف خیر کی وجہ بنتی ہے۔

مجلس اوقات میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیہ نقطہ نظر سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی آرائینی اور انسانی وسیع نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو وہاں نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں مجلس و مومنوں میں اور جنی شبہ ہوتا ہے اور وہ شبہ یہ کہ شرم و حیا کی زیادتی مجلس اوقات وینی فراخ دل ہونے سے بھی رجوع بن جاتا ہے، مثلاً جس آدمی میں شرم و حیا زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے اور حد کے بندوں کو سخت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی تسیل اور غور نہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے، انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رجوع بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے، لوگ نہ اٹھتی سے اس میں اور حیا میں فرق نہیں رہتا۔

(۲۲۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَذْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَىٰ إِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ فَاُصْنَعْ مَا شِئْتَ۔

(رواہ سعدی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگلی نبوت کی باتوں میں سے وہ بات جو پچھ پیچیدہ اس میں شبہ ہے کہ اس میں شرم و حیا نہ ہو، تو پھر جو چاہو کرو۔

انبیاء کے سابقین کی پوری تعلیمات سرچہ مشکوٰۃ نہیں رہیں، لیکن ان کی پچھ پیچ باتیں نہ صرف امثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہوئیں کہ سیکڑوں ہزاروں برس گزرنے پر بھی وہ مشکوٰۃ اور زبان زد خلاق رہیں، انہیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ تک بطور نہایت امثل و گوں کی زبان پر چرچا ہی ہوتی تھی کہ **لَا تَسْتَحْيَ وَلَا تُصْنَعُ** جس وفاداری میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ تعلیم نہ اور نہ سچا نہ مقبول اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

(۲۳۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحْيُوا مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قُلْنَا إِنَّا لَنَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ الْإِسْتَحْيَاءَ

مِنْ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوَى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبَلَى
وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا وَآثَرَ الْآخِرَةَ عَلَى الْأُولَى لِمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَى
مِنْ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے یہی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہئے۔ مخاطبین نے عرض کیا، الحمد للہ! ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ نہیں (یعنی حیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی نگہداشت کرو، ورپیت کی اور جو چھ اس میں بھرا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی برے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو یاد کرو، اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے، وہ دنیا کی آراش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرے گا، پس جس نے یہ سب سمجھ لیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اس نے آیا۔

اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیا کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا، ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں، بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے، نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق، بنی بندہ کو کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اسکے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو، اور دنیا کو ٹھکرائے آخرت کو نہیں نے پناہ نظر بنالیا ہو، اور موت، اور موت کے بعد کی منزل میں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں، اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بناتا ہو، اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اس نے اللہ سے حیا کا حق دیا نہیں کیا۔

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت و راستگن، بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوگی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے:

(۲۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَلْفَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرَزِقَ كَفَافًا وَكَفَّعَهُ اللَّهُ بِمَا آتَاهُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کامیاب و رہا ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی، اور اس کو روزی بھی بقدر کفایت ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قیاس

روزی پر قانع تھی بنایا۔

پھر جب جس بندہ کو یہاں کی دولت نصیب ہو، اور اسے خود ہی اس دنیا میں گزارے گا پھر ضروری یہاں تھی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے بوقت موت اور مصیبت کی دولت بھی نصیب فرماوے، تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشحالی ہوگی اور اس پر اللہ کا یہ فیصلہ ہے۔ یہ قناعت و راضی و مصیبت وہ کیا ہے جس سے فتنہ کی زندگی، بلا شادی زندگی سے زیادہ لذیذ و پر مہرست بن جاتی ہے۔

ایں یہ کیا ہے جسکی قناعت و راضی و مصیبت

آدمی کے پاس بدولت کے ڈھیر ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں انصاف کی فکر نہ کرے، شش میں غارت ہو، جس کی جیسے میں پر رتبہ تو اسے کبھی قبول نہیں کیا ہے وہ ہمارا وہاں ہفتی کی رتبہ کا برخلاف اس نے اس آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر قناعت نہ کرے، تو فتنہ، فتنہ کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے قیمتی اور آسودہ زندگی ہوگی۔ اس حقیقت و رسالہ اللہ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں رشتہ فرمایا ہے۔

۲۳۲ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے رشتہ فرمایا، دولت مندی میں اسباب کے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسکی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (بخاری)

اور اس نے اپنی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخفی طبع بنا کر اس طرح سمجھائی۔

۲۳۳ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ تَقُولُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنَى قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ تَقُولُ قَلَّةُ الْمَالِ الْفَقْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ ذَلِكَ فَلَئِنْ لَمْ قَالَ الْغِنَى فِي الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِي الْقَلْبِ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! یہ تم یہ کہتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تو غمیری ہے، میں نے عرض کیا ہاں حضور! (یہاں سمجھا جاتا ہے) آپ نے فرمایا، یہ تم یہ نہیں کہتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فتنہ کی اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں حضور! (ایسا ہی نہیں کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اندر ہوتی ہے، اور اسی محتاجی اور فقر کی بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ تو غمیری اور محتاجی، خوشحالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل

سے ہے، اگر اس غنی اور سبب نیاز ہے تو آدمی نجات اور خوشی سے محروم رہے اور اس کو نقص و فتنہ کا شکار ہے، تو دوست کے دشمنوں کے باوجود وہ خوشی سے محروم رہے اور متاع و پریشانی سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کا مستحکم قول ہے

تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَسَتَعْلَمَ أَنَّ مَا يَفْعَلُ بِهِ شَيْءٌ

۲۳: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَئِنْ أَذْخَرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يُسْتَعْفَفَ يَعْفُهُ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصْبِرْهُ اللَّهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے چند لوگوں نے رسول اللہ سے ایک دفعہ پتھر طلب کیا، آپ نے ان کو عطا فرمایا، (یعنی ان کی مانند پتھر نہیں ہوئی) اور انہوں نے پتھر طلب کیا، آپ نے پھر ان کو عطا فرمایا، یہاں تک کہ جو پتھر آپ کے پاس تھا وہ سب پتھر ہو گیا، اور چونکہ رہا، آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا، سنو! جو مال و دولت جی میں سے پاس ہو گا اور تم سے آگے کا، میں اس کو تم سے بھی کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (جدا پتھر دیتا رہوں گا، لیکن یہ بات خوب سمجھو، کہ اس طرح مال و مالک برحق حاصل کرنے سے آگے، اور خوش حقیقی حاصل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود غنی نہ بننا چاہتا ہے یعنی وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیرنے سے اپنے کو بچنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی حالت میں وہ بچتا رہے، اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے، یعنی اپنے بندوں کا محتاج نہ رہے، نیز مند بننا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس بندوں سے سب نیاز مبرا کرتا ہے، اور جو کوئی کسی کھن میں موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے جبر کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو عاجز و ناتوان کر دیتا ہے (اور سب کی حقیقت اس کو نصیب ہو جاتی ہے) اور کسی بندہ کو بھی جبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت مل نہیں سکتی۔

اس حدیث کا خلاصہ سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے سامنے اس کو دست سوال دراز نہ کرنا پڑے، اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے بہانہ نہ لگیں، تو اسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بنے کہ خوش رہے، اور وہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ ”کسی بندے کو عجب سے زیادہ وسیع کوئی نعمت مل نہیں ہوئی۔“ واقعہ یہی ہے کہ اس کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع و نہایت عظیم نعمت ہے، اسی لئے قرآن مجید کی آیت **وَمَا يَكُونُ لَكُمْ أَنْ تُبَدِّلُوا مَا يُلَاقِيكُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ شَيْئًا** میں عجب کو مصدقہ یعنی نماز پر بھی

مقدم کیا گیا ہے۔

۲۳۵. عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ لِي يَا حَكِيمُ إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصِرٌ حُلُوٌّ لِمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافٍ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْهَذَا الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى قَالَ حَكِيمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرَى أَحَدًا بِعَذِّكَ شَيْئًا حَتَّى أَفَارِقَ الدُّنْيَا۔

(رواه البخاری و مسلم)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ سے پتھریا طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے چر مایا، آپ نے چر مایا فرمادیا، پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ اب حکیم! یہ ماں سب و جہی لئے والی اور مذیدہ شہیں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص و رنج سے یہ پیشی و نفس و فیضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص اس کے رنج کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا حق جو عاقل کے لئے اس مرض کا سر ہو گا وہ کھانے اور پیٹ نہ بھرے۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقدمہ اونچی ہے اور ہاتھ چھینا ایک گھٹیا بات ہے ہذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (مسند) کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قسم ہے اس پائنت کی جس نے آپ کو نبی پر حق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے پتھریا نہ لوں گا۔

اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت کی خدمت میں جو مقدمہ کیا تھا اس کو پتھریا لیا ہوا تھا۔ بعد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے اور خلافت میں (جب کہ سب ہی کو، ظیفہ اور عطیہ دیئے جاتے تھے) انکو بھی بلا کر بار بار پتھریا و ظیفہ یا عطیہ دینا چاہتے تھے یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن رہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ صحابین کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت و امارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دور امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۳۵ھ میں وفات پائی۔

۲۳۶. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّا كُنَّا وَالشَّحَّ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشَّحِّ أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبِخَلُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَهَقَطُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا۔

جمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ حرص و طمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلے قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو نخل

یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اسکی جان نہیں گھٹتی اور یہی اور دل شستگی اسکی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے

۲۳۸. عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ مَرَأَةٌ شُكْرًا لَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مَرَأَةٌ صَبْرًا لَكَانَ خَيْرًا لَهُ - (دو حصہ)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: بندہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و ربیع رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کیلئے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اُن اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوشگوار ہی ان کو پیش آتی ہے، تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔ اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے ان بندگان خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیت سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

۲۳۹. عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصُّدْمَةِ الْأُولَى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ - (دو حصہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اسکے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔

جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اس کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو

صاحبِ ایمان بندہ کی خدمت کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ فی رضا و ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو بندہ اس کو جنت نصیب فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدا کے تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اہم آج اس قدر کریمانہ ندرت ہے، ہر درست بندہ صاحبِ برکت فرمایا گیا ہے کہ اسے اس آدمِ بابِ جتنے میرے تقدیر کی نعمت سے کوئی خدمت پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس خدمت کا مستحق صبر سے کرے تو جتنے جنت، یہ بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ میرا صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ و ایسا خاص عطا ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت نصیب بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوئے۔

ف باب کسی بندہ کو کسی قسم کا کوئی خدمت پہنچے تو اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کرے، تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور سعادت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ طرف سے تین لذت جتنی عطا ہوں۔

۲۴۰. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ لَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔

۱۰۰ حدیثی لا سند

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا ٹھہرا نہ کرے، اور نہ وہ اس سے تسوہ و شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا مہربان ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا۔

صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور اپنے صابرانہ سے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور نیت سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۴۱. عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ ابْنَتِي لِبِضْ فَأَتَانَا فَأَرْسَلَ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَضَبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَهَا لِقَاءُ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمَعَادُ بْنُ جَبَلٍ وَأَبِيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرَفَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبْرُ وَنَفْسُهُ يَتَقَعَّقُ فِقَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا فَقَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنَ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

۱۰۰ حدیثی لا سند

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہا کہ جیسا کہ میرے بچے کا تشریف دے رہا ہے، اور چل چلاؤ گا، وقت ہے، اب آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اس کے جواب میں صبر میں اس کے بھجوا کر پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو چاہے لے وہ بھی کسی کا ہے، اور کسی کو جو چاہے دے وہ بھی کسی کا ہے،

اگر جس چیز پر اس میں اسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے دیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھائی جاتی ہے) پس چاہئے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے جزو ثواب کی طلب بنو۔ صاحب زاد کی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیغام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضورؐ نہ ورہی تشریف لے آئیں، پس آپؐ انھیں مہر چھوڑ دینے اور آپ کے صاحب میں سے سعد بن عبادؓ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور بلش اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوتے، پس وہ بچہ بھی مہر آپ کی گود میں لایا گیا، اور اس کا سانس اٹھ رہا تھا، اسے جس کو دیکھ کر رسول اللہؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادؓ نے عرض کیا: حضرت! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان کی بندوں پر ہوئی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دلوں میں رحمت کے جذبہ سے باطل نہ ہو)۔

حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہو کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا متعلق نہ فائزات ہے کہ بندہ مسیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ اٹھائے کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، یوس اور اس کا شاک نہ ہو اور اس کی مقررہ ہونی حدود کا پابند رہے۔ باقی طبعی طور پر دلوں کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبہ رحمت کا زری نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دلوں اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ننگا رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادؓ نے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سواں اس سے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ اس کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۲ عَنْ مَعَاذِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكُتِبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةُ "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۱) مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ فَأَعْظِمَ اللَّهُ لَكَ الْأَجَرَ وَالْهَمَّكَ الصَّبْرَ وَرَزَقْنَا وَإِيَّاكَ الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللَّهِ الْهَيْئَةِ وَعَوَارِيهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللَّهُ بِهِيَ فِي غِبْطَةٍ وَسُرُورٍ وَقَبْضَةٍ مِنْكَ بِأَجْرِ كَبِيرٍ، الصَّلَاةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدَى إِنْ اخْتَسَبْتَهُ فَاصْبِرْ وَلَا يُحِيطُ جَزَاؤُكَ أَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مِيتًا وَلَا يَدْفَعُ حَزَنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ لَكَ الْفُلُ وَالسَّلَامُ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا

ہم اللہ برائے حق پر ایمان رکھنے کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معارفِ حق کے نام میں پہلے اس اللہ کی نعمت سے ایمان لے کر آئے ہیں جس کے ساتھ اولیٰ معبود نہیں۔ (بعد ازاں) اور بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے گا، اور تمہارے اس کو صبر عظیم فرمائے گا، اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کی توفیق دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جائیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں، اور اس کی سوائی ہوئی مانتیں ہیں (اس سوال کے مطابق تمہارے گناہی اللہ تعالیٰ کی امانت تھی) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے منع اس نے اور نبی بہت سے کاموں میں اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) کہ تم نے ثواب و رضا اللہ کی نیت سے کیا۔ پس اس معارفِ حق کو، اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر و عارت سے لے لے، اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ جی پہنچا اور اجر سے جی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا نہیں نہیں آتا، اور نہ اس سے دل کا رخ غم و مرہو ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم کرتا ہے وہ ہونا رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ و سہ۔

قرآن مجید میں مصداق پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے: **نَجْمٌ وَرَحْمَةٌ وَوَلَدٌ هُمُ السَّابِقُونَ** (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی، اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، اور وہ ہدایت یاب ہوں گے)۔ رسول اللہ نے اس قرآنیت نامہ میں انی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم نے ثواب و رضا اللہ کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا، تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

ف رسول اللہ نے اس قرآنیت نامہ میں اس مصداق ایمان بندے کے لئے قرآنیت و نصیحت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہے، جس کو وہی صدمہ پہنچے، ہاشم اپنی مصیبتوں میں ہر رسول اللہ کی اس ایمان افروز قرآنیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں، اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

۲۴۳ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ يَا عِيسَى ابْنِي بَاعِثْ مِنْ بَعْدِكَ أُمَّةً إِذَا أَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّونَ حَمْدُوا اللَّهَ وَإِنْ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُونَ اخْتَسَبُوا وَصَبَرُوا وَلَا حِلْمٌ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُونُ هَذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمٌ وَلَا عَقْلَ قَالَ أُعْطِيَهُمْ مِنْ حِلْمِي وَعِلْمِي۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں، مجھ سے میرے شاگرد ابو الدرداء نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ بیان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے

فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ن کی چاہت و درخواست کے مطابق نعمتیں عطا کی جائیں گی تو وہ جذبہ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کریں گے، اور جب ان پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے ان کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے، لہذا ان میں (کوئی خاص درجہ کی) برابری اور دانشمندی نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا کہ، جب ان میں برابری اور دانشمندی نہ ہوگی، تو ان سے خوشیوں میں شکر، اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان کو اپنے علم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔

مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت و خوشیاں میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تُلَاحِظُوا فِتْنٰتَہُمْ فَاُولٰٓئِکَ لَیْسَ بِکُمْ شَیْءٌ اَوْ لَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا یَفْعَلُ الْاٰیْمٰنُ فَاُولٰٓئِکَ لَیْسَ بِکُمْ شَیْءٌ اَوْ لَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا یَفْعَلُ الْاٰیْمٰنُ

کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شکر ہو، تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے، اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ ﷺ کے عام صحابہ اور قرون مابعد کے صحابہ، مؤمنین و اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو صبر و شکر کی دوست سے بہرہ ور فرمایا، اور ان کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے اپنے علم و حکم کے تحت ان بندوں کو عطا فرمادینے ہیں، اور یہ صبر و شکر اسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اس امت کے ورثہ بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء و صالحین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انہیں معصوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور یہ ساری کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اس کی تکمیل ان کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے، اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی امت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے متم پر فربہ ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و حکم سے وہ بہرہ ویاب ہوگی۔

تاسیس و تاسیس

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معصوم ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانہ بنی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا نہیں ملتا ہے، سب پرہ راستہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ ہی کے مترکے ہوئے صرف ذریعہ و راستے ہیں، اس طرح کہ اللہ ہی میں پائی جن نمونوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پائی پہنچانے کے صرف راستے ہیں پائی کی تسیم میں ان کا پنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح عام وجود میں کارفرمانی اسباب کی باطل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور

مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دوسرے یقین کر کے اپنے تمام متصداقر کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے ہو گا، اسی کی قدرت اور اسی کے حکم پر نظر رکھنا، اسی سے امید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرز عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہے۔ توکل کی اصل حقیقت اس قدر ہی ہے۔ ظاہر کی سبب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کہتے ہیں۔ یہ سبب و تدابیر غیبیہ، عیسیم سرمد خاص کر سید انبیاء اور آپ کے صحابہ کرام اور ہر دور کے عارفین کا عین کا توکل بھی تھا، یہ سبب حضرت اس کا رخا، انسانی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے ماحولیات میں اسباب کا جتنی استعمال کرتے تھے، یقیناً اس کا عقیدہ اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ سبب و بیانی کے نمونے کی طرح صرف ایک ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں جتنی اللہ تعالیٰ کی رضا و مرض کے حکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ ان کے تابع ہیں، ان کے بغیر جتنی سبب چاہے کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ و تجربہ بھی کرتے تھے۔

غرض ترک اسباب نہ توکل کی حقیقت میں، خلل ہے نہ اس لیے شریعت میں اس کا عیب ہے نہ اس سے اللہ کا کوئی صاحب یقین بند و ترک اسباب مردے تو قابل اعتناء نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہی امر ہی ہو گا، اسی طرح ترک اسباب سے دوسرے کا تعلق توڑنے کے لئے اور بھی اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے دوسرے اس کو اس کا مشاہدہ و تجربہ کرانے کے لئے کوئی بند و ترک اسباب کا وہ یہ اختیار کرے، تو یہ بھی بالکل درست ہو گا، یقیناً توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدرت پر جو عرض کی تھی، اور قرآن و حدیث میں اس کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاکمین کی مدد و مشائی تھی، اور یہاں یہ توکل بیان و توحید کے کمال کا ثمر ہے، جس کو توکل نہیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان و اس کی توحید کامل نہیں ہے۔

پھر توکل سے بھی آئے رضا و تمنا کا مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ پر جو بھی ہمتیں یا برے خواہشیں ہیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے حکم و فیصلہ پر اس سے راضی و شاد رہے، اور راحت و عافیت کے دوسرے طریق تالیف و مسیبت کی خبروں میں بھی اس کے خدا شناسوں کی صدیقی ہو، کہ

چہ از دوست میرسد نیوست

ن تمہیدی سہوں کے بعد توکل اور رضا و تمنا کے متعلق رسول اللہ کی چند حدیثیں پڑھتے

۲۰۴. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ أَمَّتِي سَبْعُونَ

أَلْفَا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْفُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ دو ہند گان خدا ہوں گے جو منتر نہیں کرتے، اور شگون بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کیلئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابل اصابت برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کی بیماری و درد کھدرا میں مبتلا ہوتے، تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے، اور سمجھتے کہ یہ جنت منتر کھدرا اور بیماری کو جگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، بار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون پیتے اور اگر شگون برا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اس لئے پھر اس کو نہیں کرتے تھے، اگرچہ شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی، اور تعہیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لئے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگون بد پینے و اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، لہذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کار فرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہذا اسی مقصد کیلئے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ ہند گان خدا وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتقاد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگون بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مصداق ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگون بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ ہند گان وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتقاد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے شرعی و مشیت اور اس کے حکم کو اصل کار فرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے اس اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کیلئے اپنی حکمت

سے مقرر فرمائے ہیں، ورنہ جنت نے ان کی اجازت دی ہے ان کا ترک کر دینا توکل کا مستحق نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو نا پسند ہیں، ورنہ جنت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔"

ابستہ توکل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو پس ایک راستہ اور زندگی حاکمیت کا پردہ سمجھتے اور اس کا تحقق پس زندگی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں ہے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے امتوں کی تعداد ستہ ہزار بتلائی گئی ہے، یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ ان میں تحقیق ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستہ ستہ ہزار جہنمی ب حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ سادہ وازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی ظاہر ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک وعدے کی صورت میں نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جن امتوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں ب حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

۲۴۵. عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ اگر تم وہ اللہ پر ایسا توکل کرتے جیسا کہ ان پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے، وہ حق کو جو کہ اپنے آشیاؤں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیت پھر سوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد کریں، جیسا کہ نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کا وعدہ ان کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سبوت سے رزق دیتا ہے کہ

(۱) حضرت شاہد بن احمد رحمۃ اللہ علیہ "نبی اللہ الباقہ" میں اس حدیث و توکل ہی بیان میں اس کے بعد لکھتے ہیں، قول اما وصفهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بهذا (ای بقوله هم الذین لا یسرفون ولا یبتغرون الح) علامہ ابن تریموذی بركة الاسباب التي یفی الشرع عنها لا ترک الاسباب التي سبها اللہ تعالیٰ لعادہ (نبی اللہ ص ۴۲ ج ۲)

انہیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی قتل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے، اور انہیں زیادہ کد و کاش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اٹھانی پڑتی ہے۔

۲۴۶. عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِقَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً فَمَنْ اتَّبَعَ قَلْبَهُ الشَّعْبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللَّهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ كَفَاهُ الشَّعْبَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے دل کیلئے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا، اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پروا نہ ہوگی، کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی بدلت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اس کے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیلئے کفایت کریگا (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دوست نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دوست ہے)۔

حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل اور اعتماد کرے، اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کیلئے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

۲۴۷. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتْ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرے خیال فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی تفت و بہیت سے تیرے خیانت سے محفوظ کرے گا، تو اللہ کو پاؤں رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگتا ہے تو اس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے مدد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو

وس میں چھٹے کے سرساری نسانی پر اور ہی جی باجم متعلق ہو کر اور جو مریات کے تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچے تو صرف کسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچ سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر رکھی ہے، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں وراق حزن اور ساری نسانی، یا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچا چاہے تو صرف ہی چیز سے نقصان پہنچ سکے گی جس سے نقصان پہنچا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکے گا، تجھ کے لئے مقدر اور حسب بھی ہو چکے ہیں۔

حدیث کا مطلب وراثت اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور کھتر مرصہ فائدہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یا کھتر یا آرام پہنچا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، ہر قسم کا تقدیر جس کو بے بہت پہلے لکھ کر فرارخ ہو چکا ہے، اور اس کی آخری خشک بھی ہو چکی ہے۔ یہی صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ ہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اسی کے آگے ہاتھ پھیرنا، اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فاضل فرمایا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ مطلب کیا ہے، اور تقدیر وہاں کے ہر جو، فعل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اس لئے اس شبہ اور سوہ کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو اس بارے میں خلجان ہو تو معارفِ اہل بیت حصہ اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

۲۰۱ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَإِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينَ (وَلِي رَوَايَةٌ وَإِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِي رَوْعِي أَنْ لَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا يُذْرِكُ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ۔

وہ المعوی فی شرح السنۃ والہدی فی شعب الایمان

حکمت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے

منع کر چکا ہوں) یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو وہ چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھ سے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور ابروہ بن ہریرہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اور دونوں سے مرد جو کھیل میں ہیں) ابھی میرے دس میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وہی پہنچائی ہے) کہ کوئی تنفس اس وقت تک نہیں کر تا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے) ہذا لو واخذتہ روہا ورتلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کر، اور روزی میں تاخیر نہ کرنا تمہیں اس پر آمادہ کرے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور ناشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش نہ کرو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت کداری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ ﷺ اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو کہ کھیل میں اہل تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ وہ گواہ حال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو وہ چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جب کھیل میں نے ملے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اپنے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار و متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی، جس کا حاصل یہ ہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب و مقدر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہئے کہ سر روزی میں کچھ نیکی اور نیکوئی بھی ہو جب بھی وہ اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور اس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور طاعت شعاری ہی کے راستے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تندرستی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھر نے کیلئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اس کے دس میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس کو سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھالے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بچ کر روزی حاصل کر لے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی، پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور

اپنی روح کو نپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ حلال کامیہ ان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَىٰ أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَىٰ مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِيَّةِ فَلَمَّا رَأَتْ امْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحَىٰ فَوَضَعَتْهَا وَآلَى الثُّورَ فَسَبَحَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ االلَّهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدْ اِمْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ إِلَى الثُّورِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِنًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِي شَيْئًا قَالَتْ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا وَقَامَ إِلَى الرَّحَىٰ فَلَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعَهَا لَمْ تَزَلْ تَدُورُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا جب اس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے لگے) جنگل کی طرف چل آیا، جب اس کی ٹیب بنی بنی نے دیکھا کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کیسے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھرپور سے اس نے تیری شریعت (ردی) وہ اٹھ کر چکی کے پاس گئی اور اس کو تیار کیا (تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں سے کچھ نہ آئے تو بعدی سے اس کو پیسا جائے) پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آگ پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ ہمیں رزق دے۔ اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے مرد آمد آئے کے سے جو بیکہ بنی ہوئی ہے (جس کو چکی کا گرد اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں) وہ آئے سے بھری ہوئی ہے، پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پیا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملے (یعنی براہ راست خزانہ غیب سے اس طرح ملے) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھ کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اٹھ کر دیکھا) پھر جب یہ ماجر رسول اللہ سے ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ اسکو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آنا نکلتا رہتا۔

اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے، اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطا میں اسباب ہی کے سلسلہ سے ہوتی ہیں، لیکن بھی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کیلئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے کسی تابع امتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو، تو اسکو کرامت کہا جاتا ہے۔

صنعتِ مہر و جمال پر پورا پورا ایمان و یقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس کی ہو۔ یہاں وہ محبت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ بعدِ بندہ کے دل کی حد ایہ ہوتی ہے۔

زندہ کئی عرصے تو وہ ہنسی خدا کے تو دل شدہ بہتہ تو ہر چہ کئی رضا کے تو

.....

رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانی یا اخلاقی حسنہ کی جو تعلیم و ہدایت ملی ہے، اس عاجز کے نزدیک اس کی تکمیل اخلاص و معنویت کی تعلیم سے ہوتی ہے۔ یعنی اخلاص و معنویت کتابِ اخلاق کا آخری و تکمیلی سبق و روحانی و خدائی بندگی کا آخری زینہ ہے۔

اس اخلاص و معنویت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ صرف اس کے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ تمام اچھے اعمال و اخلاق کی روح اور جان ہی خدا اس نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال و اخلاق اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضا و اجنبی نہ ہو، بلکہ نام و نمود یا ہر کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں و ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و آخرت کا ثواب جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب و مقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہوئی و آخرت کی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو، اور وہی ان کی اصل محراب ہو۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، اپنے معاشرت میں خود ہمارا بھی یہی اصول ہے۔ فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ وہ طرح طرح سے پہنچنے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے آپ کے ساتھ کوئی خصوصی نہیں ہے، بلکہ اس کا یہ برتاؤ اپنی فلاح ذاتی غرض کے لئے ہے، یہ آپ کے کسی دوست یا عزیز قریب سے وہ اپنا کوئی کام مٹانا چاہتا ہے اور صرف اس کے دکھانے کیلئے آپ کے ساتھ اس کا یہ برتاؤ ہے، تو پھر آپ کے دل میں اس کی اور اس کے اس برتاؤ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ اس کی یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے، فرق اتنا ہے کہ ہم دوسروں کے دلوں کا حال نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ سب کے دلوں و رائی نیوٹوں کا حال جانتا ہے، پس اس کے جن بندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس کی خوشنودی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں وہ ان کے ان اعمال کو قبول کر کے ان سے راضی ہوتا ہے اور ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے، اور آخرت جو درجہ ہے اس میں اس کی اس رضا اور رحمت کا پورا ظہور ہو گا۔ ہر جو وہ اچھے اعمال و اخلاق کا مظاہر و دنیاواؤں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی کیلئے یا ایسے ہی دوسرے غرض و مقاصد کیلئے کرتے ہیں ان کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور رحمت سے محروم رہیں

کے اور ان کی اس محرمی کا پورا پورا شعور نہیں۔ آخرت میں ہی ہوگا۔

اس باب میں سئل بنیادِ قرآن و حدیث کی مشہور حدیث - "....." ہے۔ جو حصہ ان کے بالکل شرم میں درج ہو چکی ہے اور وہ ہیں اس کی تشریح جیسا کہ تفصیل سے کی جا چکی ہے، اس نے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، اب اس کے علاوہ اس سلسلہ کی وہ ساری چند حدیثیں یہاں درج کی جا رہی ہیں، اور ان ہی حدیثوں پر یہ مجددہ مضمون مبنی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرِكُمْ وَ
أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔"

مستحب یہ ہے کہ مددِ حق کے یہاں مقبوضیت کا معیار کسی کی عقل و صورت یا اس کی دولت و مندی نہیں ہے، بلکہ اس کی درستی اور نیک روی ہے، وہ کسی بندے کیلئے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی عقل و صورت یا اس کی دولت و مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اس کے دل کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک روی کی بنیاد پر کرتا ہے۔

ہم۔ اس حدیث کی پیش رو تہوں میں بھی مذکور ہوا۔ الفاظ سے یہ الفاظ ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى اجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُورَتِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ-

اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں اور تمہارے صفاتِ نجاتی میں وہ نہیں دیکھتا کہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

یہ غلط فہمی حقیقت کے احاطے سے باہر ہے۔ اس لیے زیادہ واضح اور زیادہ درست یہ ہے کہ متبوییت کا اصل دار و مدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے۔ پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل خدائے حق سے خالی ہو، اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل بہتر قبول نہ ہوگا۔

Journal of Management Education 36(8)

٢٥٢ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةٌ نَفَرٍ يَتَمَشَّوْنَ أَخَذَهُمْ
الْمَطَرُ لَمَّا لَوْا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلَى قَمِيحِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَاطْبَقَتْ
عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا لِلَّهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللَّهَ بِهَا لَعَلَّهُ
يُفَرِّجُهَا فَقَالَ أَحَدُهُم االلَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَلَدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ وَلِي صَبِيَّةٌ صِغَارٌ كُنْتُ
أَرْعَى عَلَيْهِمْ فَإِذَا أُرْحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيهِمَا قَبْلَ وَلَدَيَّ وَإِنَّهُ لَفُذُنَا

بِی الشَّجَرِ فَمَا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ
 فَجِئْتُ بِالْحَلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصَّبِيَّةِ قَبْلَهُمَا
 وَالصَّبِيَّةُ يَتَضَاغُونَ عِنْدَ قَدَمِي فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ دَائِبِي وَدَائِبُهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ كُنْتُ
 تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَفْرِجْ لَنَا لُرْجَةً تَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَّجَ اللَّهُ لَهُمْ
 حَتَّى يَرَوْنَ السَّمَاءَ قَالَ الثَّانِي اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ أَحْبَبْتُهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ
 الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَأَبَتْ حَتَّى آتَيْتُهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ فَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ
 مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِنَّي اللَّهُ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ
 فَقُمْتُ عَنْهَا اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَخْرِجْ لَنَا مِنْهَا لَفْرَجَ
 لَهُمْ لُرْجَةً وَقَالَ الْآخَرُ اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا يَفْرُقُ أَرْزُلَ لَمَّا قَضَى عَمَلَهُ قَالَ
 آعْطِنِي حَقِّي فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ فَتَرَكَهُ وَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ
 بَقْرًا وَرَاعِيَهَا فَجَاءَ نِي فَقَالَ إِنَّي اللَّهُ وَلَا تَطْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي فَقُلْتُ إِذْهَبْ إِلَى الْبَقْرِ
 وَرَاعِيَهَا فَقَالَ إِنَّي اللَّهُ وَلَا تَهْرَأْبِي فَقُلْتُ إِنِّي لَا أَهْرَأُ بِكَ فَخَذْتُ ذَلِكَ الْبَقْرَ وَرَاعِيَهَا
 فَاخَذَهُ فَاَنْطَلَقَ بِهَا فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَفْرِجْ مَا بَقِيَ لَفْرَجَ
 اللَّهُ عَنْهُمْ - (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے یمن فرمایا: "تین آدمی کہیں
 جے چار بے تھے کہ ان کو مینہ (بارش) نے آیا، وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، پہاڑ سے غار کے منہ پر
 ایک پتھر کی چٹان آ پڑی اور غار و بند ہو گیا، تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا: اپنے نیک
 عملوں پر غلط فہمی جو خاص طور پر خدا کیسے ہے، اور اس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا کرو، امید
 ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور فرما دے۔ ایک نے ان میں سے کہا: خدا میرے
 ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے، میں بھریں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ
 ان سب کو پوٹاں جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دیتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پاتا پھر
 بچوں کو دیتا، ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چرائی کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی بھریوں کو چراتا چراتا
 میں داخل ہو گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آ سکا یہاں تک کہ شام ہو گئی، جب گھر پہنچا تو ایسا کہ
 میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں، میں نے حسب معمول دودھ دیا پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ
 کے پاس پہنچا، اور ان کے سر ہاتھ کھرا بوسا، مجھ کو ان کو دیکھا، بھی برا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ ماں باپ
 سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں، بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے، اور
 میں دودھ لے کر آتا تھا، صبح تک یہی کیفیت رہی، یعنی میں دودھ سے کھڑ رہا، اور بچے روتے رہے، اور
 ماں باپ پڑے سوتے رہے، اب اللہ! امر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا مندی اور
 خوشنودی کیلئے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہر آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر

کوا تھا ہوا دیکھ کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا: اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جس سے انتہائی محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے، میں نے اس سے جماعت کی خواہش ظاہر کی، اس نے کہا کہ جب تک سواشر فی نہ دو گے ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے کوشش شروع کی، اور سواشر فیں جمع کر میں، اور ان کو بیٹر میں اس کے پاس پہنچا، پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماعت کیلئے) تو اس نے کہا کہ اب خدا کے بندے خدا سے ڈر اور میرا کوئی دُعا میں خدا کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا (یعنی اس سے جماعت نہیں کیا) اب خدا! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل مکمل محض تیری رضا مندی اور خوشنودی کیلئے تھا تو اس پتھر کو بٹا دے اور ہمارے سے راستہ کھول دے، خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور بھاریا تیسرے شخص نے کہا کہ اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر کرایا تھا، ایک فرق (پینہ) چال کے معوضہ پر، جب وہ شخص پنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دواؤ! میں اس کی مزدوری دینے کا قہر داس کو چھوڑ کر چلا گیا، ورنہ اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا، تو میں نے اس کی مزدوری کے چادروں سے کاشت شروع کر دی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ ان چادروں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل مران کے چرواہے جمع کر لئے۔ پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا، خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر، اور میرا حق میرے حوالہ کر، میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو جس (کہ وہ تیرا حق ہے) اس نے کہا خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا، یہ سب تیرے ہی ہیں، چنانچہ اس نے ان سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ سے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہی فعل مکمل محض تیری خوشنودی اور رضا مندی کے لئے تھا، تو تو اس پتھر کو بالکل بٹا دے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو بٹا دیا اور راستہ کھول دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے امتی تھے، حضور ﷺ نے اپنی امت کو سبق آموزی کیلئے اس قصہ کو بیان فرمایا۔ اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش کر کے اس سے دعا کی ہے ان کی چند خصوصیتیں قابلِ غور ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحتاً ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف اللہ کی رضا جوئی میں کئے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بنا پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے متابے میں اپنے نفس کی چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدہ نفس کی سختی ہے، دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے، ورنہ شام کو یہاں سے تھکا ہوا آیا ہے، قدرتی طور پر اس کا پی سونے کو بے حد چاہتا ہو گا۔ بدھ وہ سونے کیلئے مضطر اور مسترار ہو گا، لیکن چونکہ ماں باپ بلو دینے سونے تھے، اور یہ اللہ

کی رضا اس میں سمجھتا تھا کہ جس وقت غیند سے انکی آنکھ کھلے، یہ ان کو دودھ پلانے، سٹے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لے ان کے سر ہانے کھڑا رہا۔ اور پھر اس کے بچے اسکے قدموں میں پڑے جنوک سے روتے چلاتے رہے، لیکن اس نے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو بھی دودھ نہ پالایا، یہاں تک کہ انی سال میں صبح ہو گئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے ایک جوان یک نزع سے عشق رکتا ہے اور حسب ایک بیش قرار رقم طے ہو جاتی ہے، اور کسی طرح ویر قم مہیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی، تو ٹھیک اس وقت اللہ کا مہیجہ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کے بغیر مدت درگزر کر کے رضائے حق میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر شخص رکھنے والا انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتنا سخت مجاہدہ ہے، اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے۔ ایک مزدور کے چند سیہ چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے اس نے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بو دیا، پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اس نے اس مزدور کی عیبت قرار دے کر اسی کے حساب میں اس کو کھاتا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس سے کتنی دوست فراہم ہو گئی کہ چاروں کا ایک ریور کا ریور ہو گیا۔ پھر جب چھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس مانت در اور نیک مردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اس مزدور کے حوالہ کر دی نہ شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے، اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوئی کی یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے، اور جس کا اس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے، اس کو اپنے ہی پاس رکھا جانے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضا، انہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس کے پاس چلے گئے مزدور کے حوالے کر دی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اعتدالی اور عرفی عبادت نہیں ہے، بلکہ ایک کا تعلق باب معاشرت سے ہے، ایک کا باب معاملات سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اس نے فراہم کر لئے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ خدا کی کینیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کو پیش کر سکتا ہے۔

ریا ایک درجہ شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے

اخلاص و التہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریا و سمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

۲۰۳ عَنْ هَذَا ابْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى يُرَائِي لَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي لَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي لَقَدْ أَشْرَكَ -

شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے، جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کیلئے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔

حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ وہ اور ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں احمان فرمایا گیا ہے، اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن ان میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے، ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرے، یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار اور نیکو کار سمجھیں اور اس سے معتقد ہو جائیں، اسی کو ریا کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو اور ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کیلئے اور ان کی نظروں میں معزز و محترم بننے کیلئے یا ان سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک ہی ہوگا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

۲۰۴ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْدُ أَكْمَرُ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَقَالَ لَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخَوْفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ لَقُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّيَ لِيَرِيَهُ صَلَواتُ اللَّهِ عَلَيْهِ مِنْ نَظَرٍ وَجَلٍّ - (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ (اپنے حجرہ مبارک

(سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اُس وقت ہم لوگ آپ میں مسیحِ دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا، کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے، ہم نے عرض کیا، حضور! ضرور بتائیں وہ کیا چیز ہے! آپ نے فرمایا، وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے سے پہلے کہہ ابو، پھر اپنی نماز کو اس لئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔

ترجمہ..... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کیلئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کیلئے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ خفی قسم کا شرک ہو، جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اس لئے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ خطبہ فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ نے فرمایا، یہ قاضیمنان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے، لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہو گا کہ یہ والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

۲۵۵ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ أَخَوْتُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكَ الْأَصْفَرُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْفَرُ؟ قَالَ الرِّبَا.

محمد بن بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، ربا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرنا)۔

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشاء اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں، اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا

۲۵۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى 'أَنَا أَغْنِي الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ لَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَهَرَكْتُ' - وَفِي رِوَايَةٍ لَنَا مِنْهُ 'بَرِيءٌ هُوَ لِلَّذِي عَمِلَهُ' (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء، شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں، اسی طرح میں راضی نہیں ہوتا، اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور سے بھی شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور کو بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اُس کے شریک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُس سے بیزار ور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے کیلئے ہے جس کیلئے اُس نے کیا (یعنی جس کو اُس نے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ أَبِي قُصَّالَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِيَوْمٍ لَا رَبَّ فِيهِ نَادَى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدٌ فَلْيُطْلَبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ۔

ابو سعید بن ابی قسّالہ رسول اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا، کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُس نے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اُسی دوسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند امام)

دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو، اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاؤ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو ان اعمال کا ہے جو اللہ کیلئے جائز ہیں لیکن نیت میں پورا خلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاؤ ہو لیکن جو محض ریاکارانہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیئے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

۲۰۷ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ سَمْعَ اللَّهِ بِهِ وَمَنْ يُرَآئِي يُرَآئِي اللَّهَ بِهِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا، ان کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بد بخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے، بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کیلئے کیا کرتے تھے۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو انکی بد باطنی دکھاوی جانیگی۔

یہاں دالے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

۲۰۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتَلُونَ الدُّنْيَا بِالْدِّينِ يَلْبَسُونَ لِلنَّاسِ جُلُودَ الضَّائِنِ مِنَ اللَّيْنِ أَلْبِسَتْهُمْ أَهْلِي مِنَ السُّكْرِ وَاللُّوْبِ لَللُّوْبِ الدِّيَابُ يَقُولُ اللَّهُ أَهْبَى يَغْتَرُونَ أَمْ عَلَى يَجْتَرُونَ لِيْ خَلْفْتُ لَا بُعْثُ عَلَى أُولَئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةٌ تَدْعُ الْحَلِيمَ فِيهِمْ حَيْرَانٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آخری زمانہ میں چھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہم کرنے اور ان کو متاثر کرنے کیلئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے، انکی زبانیں شکر سے زیدہ مینھی ہوں گی، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دس ہوں گے، (انکے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس ان خاصان خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کے اللہ کے سادھوں بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھنسا جائے، اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریاکار عابدوں اور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب

(۲۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ لِي جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمَ كُلُّ يَوْمٍ أَرْبَعِ مِائَةِ مَرَّةٍ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَذْخُلُهَا؟ قَالَ الْقُرَاءُ الْمُرَاوُنُ بِأَعْمَالِهِمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ ”جب الحزن“ (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، حضرت! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا برا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا، وہ بڑے عبادت گذار اور زیادہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کیلئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... جہنم کے اس خندق جب الحزن میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ”القرآن“ کا لفظ بولا ہے، اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں پس حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گذار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عبادت گذاری ریاکارانہ ہوگی۔

قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار نخی کے بارہ میں کیا جائے گا

(۲۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ رَجُلٌ أَسْتُشْهِدَ فَأَتَىٰ بِهِ لَعْرَلُهُ نِعْمَتَهُ لَعْرَلُهَا فَقَالَ لِمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلِمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَتَىٰ بِهِ لَعْرَلُهُ نِعْمَتَهُ لَعْرَلُهَا قَالَ لِمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلِمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأَتَىٰ بِهِ لَعْرَلُهُ نِعْمَتَهُ لَعْرَلُهَا قَالَ لِمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ لَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ

لَسَحَبَ بِهِ عَلَىٰ وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالتِ خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدانِ جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا، پھر خداوند تعالیٰ اُس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اس لئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہو لئے، پھر اُس کیلئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کیساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علمِ دین حاصل کیا ہوگا، اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوند! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کیلئے آپ کی کتابِ پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی، تو نے تو علمِ دین اس لئے حاصل کیا تھا، اور قرآن تو اسلئے پڑھتا تھا تاکہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا، پھر اُس کیلئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوند! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال اُن سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و ہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا، اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و ہش کے چرچے خوب ہو لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... العظمة للہ کس قدر لرزادینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے، اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے، یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہِ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کیلئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کیلئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ **اللہم احفظنا!**

اعمال صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت، اللہ کی ایک نعمت ہے

۲۶۲ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَفْعَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ - وَفِي رَوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ - قَالَ بَلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ - **(رواہ مسلم)**

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے، ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، یہ تو مؤمن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ **(صحیح مسلم)**

تشریح..... ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابہ کرامؓ کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ اُن میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو، اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں، تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ ہی مل گیا۔ اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا **"بَلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ"** جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اُس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا (تاکہ خدا نخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ و استغفار کیا جائے) آپ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خود کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کیساتھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں، لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اُس کو اس سے خوشی ہو، تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اسکی اقتداء کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقتِ اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریاسمہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ **اللّٰهُمَّ اٰمِیْن۔**

..... حصہ دوم مکمل ہوا.....

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَعَزَّتْهُ وَجَلَّالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ